تحقیق وتنقید

دعوتِ نبوی کے طریقے

(۲)

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی۔

شخصی ملاقاتوں کے ذریعہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعوت وتبلیغ کا طریقہ اپنایا تھا اس کو بہت مؤثر طور سے بیرونی اور بدوی عربوں کے سلسلہ میں استعمال کیا اور ان کی قیامگاہوں اور فرودگاہوں میں جاکر ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی۔ بدوی اور شہری عربوں سے ملاقات کے ذریعہ دعوتِ اسلامی کو ہم دو حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں: اول مکہ مکرمہ کے قرب وجوار کے بازاروں، قصبوں اور شہروں میں جمع ہونے اور بسنے والے لوگوں میں دعوت وتبلیغ کرنے کا طریقہ اور دوم حج کے زمانے میں مواسم حج اور مقامات حج پر قیام کرنے والے حجاج کرام کے سامنے اسلام پیش کرنے کا طریقہ بنیادی طور سے یہ دونوں طریقے یکساں نظر آتے ہیں کہ دونوں زیارت وملاقاتِ نبوی سے مشرف ومعتبر ہیں لیکن ان میں بعض دوسرے فرق ہیں جو دعوتِ اسلامی اور تبلیغِ نبوی کے زاویوں، وسعتوں اور گیرائیوں کو اجاگر کرتے ہیں۔

مکہ مکرمہ کے قرب وجوار میں عکاظ، ذوالمجاز، مجنہ وغیرہ کئی بازار لگتے تھے اور وہاں مستقل آبادی بھی تھی۔ بعض اسلامی مورخین نے ان "اسواقِ عرب" کا مفصل ذکر کیا ہے۔ ان سے ان بازاروں کے مقامات، انعقاد کی تاریخوں اور تجارت وتہذیب کے واقعات کا پتہ چلتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت عملی یہ تھی کہ مکہ مکرمہ اور اس کے قرب وجوار میں جہاں کہیں آبادی ہوتی یا انسانوں کا اجتماع ملتا آپ ان کو اسلام کی دعوت دینے پہونچ جاتے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ طارق بن عبداللہ المحاربی نے پہلے پہل آپ کو ذوالمجاز کے میلے میں دیکھا جہاں وہ خرید وفروخت کے لیے گئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس سے جب گذرے تو فرما رہے تھے: "لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو تم فلاح پاؤ گے" اور آپ کا چچا ابولہب آپ کو پتھر مارتا جاتا اور کہتا جاتا تھا کہ لوگو اس کی بات نہ مانو یہ جھوٹا ہے۔ رسولِ اکرم ؐ

اپنی تردید سنتے اور مار کھا کر زخمی ہوتے رہے لیکن اسی طرح پورے بازار میں تبلیغ کرتے رہے[۵۵] ابن سعد کی روایت ہے کہ حضرت عمرو بن عبسہ سُلمی نے عکاظ کے بازار میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور وہاں اسلام قبول کیا۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت عمرو بن عبسہ نے آپ سے نبی و رسول کے معنی پوچھے آپ سے اسلام کی تعلیمات کی وضاحت مانگی اور آپ کے ساتھیوں اور مسلمانوں کے بارے میں استفسار کیا اور جب مطمئن ہو گئے تو اسلام قبول کر لیا[۵۶]

مواسمِ حج میں حُجاج کا اجتماع مکہ مکرمہ کے علاوہ منیٰ، مزدلفہ اور عرفات میں ہوتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ وہ باہر سے آنے والے عرب قبیلوں کے ڈیروں اور قیام گاہوں پر جاتے اور ان کو اسلام کی دعوت دیتے۔ آپ کا یہ طریقہ مکی دور کے علانیہ دعوت کے پورے دور میں یعنی مسلسل دس۱۰ سال تک جاری رہا۔ بعض مورخین اور سیرت نگاروں کا خیال ہے کہ پہلے سات برسوں میں آپ صرف اسلام کی تبلیغ کرتے تھے مگر واقعۂ طائف کے بعد آخری تین برسوں میں تبلیغ اسلام کے ساتھ ساتھ آپ اپنی حمایت و نصرت کا بھی مطالبہ کرتے تھے۔ لیکن جو حمایت و نصرت کرنے کی حامی نہ بھرتا اس کے لیے دعوتِ اسلامی قبول کرنا کافی تھا۔ حضرت عفیف کندی نے جو بعد میں مسلمان ہوئے پہلی بار رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو منیٰ ہی میں دیکھا تھا۔ اور آپ کو نماز پڑھتے دیکھ کر مسلمان ہوئے تھے[۵۷] ابنِ اسحاق اور ابن ہشام وغیرہ نے متعدد قبائلِ عرب کا ذکر کیا ہے جن سے آپ نے ان تبلیغی دوروں میں ملاقات کی اور ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی۔ ان میں کندہ، بنو کلب، بنو حنیفہ، بنو عامر بن صعصعہ، بنو تمیم، بنو ثعلبہ، بنو سلیم، بنو عبس، بنو عذرہ، غسان وغیرہ کا نام تو صراحت کے ساتھ لیا گیا ہے لیکن ان میں بیشتر قبائلِ عرب کو شامل سمجھنا چاہیے کیونکہ ہر سال عرب قبائل میں سے کوئی نہ کوئی حج کے لیے آتے رہتے تھے۔ اس طرح آپ نے دس سال کے عرصہ میں عرب کے بیشتر قبائل اور ان کی شاخوں کے سامنے اسلام پیش کر دیا تھا اور ان کے ذریعہ پورے عرب میں اسلام متعارف ہو گیا تھا۔ ان عرب قبائل سے ملاقاتِ نبوی اور ان کو دعوتِ اسلامی کی روداد کافی طویل ہے جس کو یہاں دہرانے کی ضرورت بھی نہیں۔ البتہ ابن اسحاق کا ایک جامع و مانع تبصرہ نقل کرنا کافی ہوگا کہ وہ آپ کی دعوت و تبلیغ کی حقیقت بیان کرتا ہے۔ جب بھی لوگ موسم حج میں جمع ہوتے آپ ان کے پاس

پہونچ کر تمام قبائل کو اللہ اور اسلام کی طرف بلاتے اور اسی طرح جس کسی صاحبِ شرف اور نامور شخص کے مکہ مکرمہ میں آنے کی خبر سنتے اس کے پاس اللہ اور اسلام کی طرف دعوت دینے کے لیے پہونچتے۔ انھیں دوروں کے نتیجے میں مدینہ منورہ کے کئی افراد جیسے سوید بن صامت، ایاس بن معاذ وغیرہ نے اسلام قبول کیا تھا یا متعارف ہوئے تھے۔ اور خزرج واوس کے طبقات اور گروہوں نے اسلام قبول کرکے اسے مدینہ منورہ میں نہ صرف روشناس کرایا بلکہ پورے شہر کو اسلامی مرکز بنا دیا اور جس کے نتیجے میں مکی مسلمانوں اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت ممکن ہوسکی۔[۵۸]

قرب وجوار کے میلوں اور بازاروں اور مواسمِ حج میں قبائلِ عرب کے تبلیغی دوروں کا ایک توسیعی قدم آپ کا سفرِ طائف تھا۔ جو ۹ نبوی ۶۱۹ء میں کیا گیا۔ ہمارے بعض سیرت نگاروں نے یہ غلط فہمی عام کردی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا سفر اس لیے کیا تھا کہ مکہ مکرمہ کی زمین اسلام کے لیے بنجر ہوگئی تھی یا آپ قریش اور اس کے اکابر کے اسلام سے مایوس ہوگئے تھے۔ اسی طرح یہ تاثر بھی پیدا ہوگیا ہے کہ آپ کا سفرِ طائف کوئی الگ تھلگ اقدام تھا جس کا منصوبۂ تبلیغ ودعوت سے کوئی خاص تعلق نہ تھا۔[۵۹] یہ دونوں باتیں غلط ہیں کیونکہ آپ سفرِ طائف سے واپسی پر بھی برابر اپنے تبلیغی اور دعوتی کاموں میں لگے رہے۔ اور ہجرتِ مدینہ تک اس میں کسی طرح کی کمی نہ آنے دی۔ اس سفرِ نبوی کے مقاصد ومحرکات اور اس کی نوعیت پر مزید بحث کی یہاں گنجائش نہیں لیکن یہ واضح ہے کہ یہ سفر بھی آپ کی عظیم عالمی دعوتی سرگرمی کا ایک حصہ تھا، نہ کہ اکابرِ قریش اور دشمنانِ مکہ کے ظلم وستم سے تنگ آکر بنو ثقیف اور طائف کے اکابر سے نصرت وپناہ مانگنے کا منصوبہ۔ جس طرح آپ نے بازاروں، میلوں ٹھیلوں اور قرب وجوار کے علاقوں کے تبلیغی دورے کیے تھے اور جس انداز سے آپ نے مواسمِ حج میں دوسرے قبائلِ عرب کے سامنے اسلام پیش کیا تھا اور اپنی نصرت وحمایت کرنے کا مطالبہ کیا تھا اسی طرح آپ نے طائف کا سفر کرکے وہاں کے لوگوں کو اسلام کی طرف بلایا اور اپنی حمایت پر آمادہ کیا تھا۔ روایات کے مطابق آپ نے اپنے متبنیٰ فرزند وصحابی حضرت زید بن حارثہ کے ساتھ طائف کا سفر کیا اور وہاں تقریباً ایک ماہ قیام کیا۔ اپنے قیام کے دوران آپ نے طائف کے قبیلۂ ثقیف کے تین بڑے سرداروں کے علاوہ عوام وخواص کو بھی اسلام کی طرف بلایا۔ اکابرِ طائف نے قریشی سرداروں سے

زیادہ سخت رویہ اپنایا اور نہ صرف آپ کا پیغام قبول نہیں کیا بلکہ بدقماش لوگوں کے ذریعہ آپ پر پتھر برسوائے اور زخمی کر دیا۔ زخمی حالت میں آپ کی واپسی ہوئی اور نخلہ نامی مقام پر ایک باغ میں پناہ لی جو مکہ کے دو سرداروں عتبہ اور شیبہ کا تھا اور جہاں ان کا نصرانی غلام مسلمان ہو گیا۔ اس طرح آپ نے ظلم وستم سہہ کر بڑی شہر میں اسلام کی تبلیغ کی۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کے فوری نتائج نہیں نکلے[٦٠]

نبوی دعوت وتبلیغ کا ایک اہم طریقہ یہ تھا کہ آپ بیماروں کی مزاج پرسی کے لیے جاتے تو بیمار کو آخر آخر وقت میں بھی اسلام کی دعوت دیتے۔ دراصل آپ کسی موقع کو ہاتھ سے جانے دینا نہیں چاہتے تھے۔ اسی لیے جب آپ کو اطلاع ملی کہ آپ کے مربی چچا ابوطالب کا وقتِ آخر آگیا ہے تو آپ ان کے پاس پہونچے اور ان سے بڑی حسرت وآرزو اور دردمندی سے فرمایا کہ وہ آپ کے کان ہی میں کلمۂ طیبہ پڑھ کر اسلام کا اقرار کریں تاکہ آپ اللہ تعالیٰ کے حضور یہ گواہی دے سکیں کہ ان کی جان اسلام پر نکلی لیکن ابوطالب اکابرِ قریش (جو ان کے اردگرد موجود تھے) کے بہکاوے میں آگئے اور دینِ عبدالمطلب پر مرنے کا اقرار کیا اور محض قومی عار اور انفرادی ننگ کے سبب اسلام پر جان نہ دی[٦١]۔ یہ محض شفیق وکریم چچا کے ساتھ معاملہ نہ تھا بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے انسانوں کی بھلائی اور ان کی دنیاوی اور اخروی عافیت محبوب ومقصود تھی کہ آپ رحمتِ عالم تھے۔ اس لیے آپ نے تبلیغ ودعوت کا یہ طریقہ دوسرے بیماروں کے سلسلہ میں بھی جاری رکھا تھا۔ اس کی صراحت اور مثالیں کم ملتی ہیں لیکن مفقود نہیں ایک روایت کے مطابق آپ نے ایک بوڑھی عورت کے بیمار بیٹے کو بھی اسی طرح دعوتِ خیر وفلاح دی تھی اور اس نے خوش قسمتی سے قبول بھی کر لیا تھا[٦٢]۔ مرض اور خاص کر مرض الموت میں انسان اللہ کے زیادہ قریب ہوتا ہے، ایسے موقع پر دعوت وتبلیغ بسا اوقات بہت نتیجہ خیز ثابت ہو سکتی ہے[٦٣]۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے داعیانہ کردار اور مبلغانہ حکمت کا ایک معنی خیز نتیجہ یہ تھا کہ آپ نے ابتدا ہی سے اسلام کے داعیوں اور مبلغوں کی ایک پرجوش وہوش جماعت پیدا کر دی تھی جو اشاعتِ دین واعلاءِ کلمۃ اللہ میں آپ کی مدد کرتی تھی۔ یہ بھی تبلیغ ودعوت کا ایک اہم بلکہ اہم ترین طریقہ تھا۔ یوں تو ہر نومسلم دینِ حق کا داعی اور اسلام کا مبلغ ہوتا تھا اور تقریباً تمام اولین صحابۂ کرام نے خصوصاً تبلیغ ودعوت کا کام انجام دیا تھا لیکن بعض حضرات نے اپنی تبلیغی

مساعی کے سبب نام کمایا تھا۔ ابن سعد اور بلاذری کی روایت ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کا اعلان کر دیا اور آپ کا کارنامہ مکہ مکرمہ میں معروف ومشہور ہو گیا تو صحابہ کرام میں سے بعض نے لوگوں کو دعوت دینی شروع کی۔ حضرت ابوبکر اپنے حلقہ میں خاموشی سے تبلیغ کرتے اور یہی طریقہ حضرت سعید بن زید کا تھا اور ان کے ساتھ حضرت عثمان بھی خاموشی سے تبلیغ کرتے۔ لیکن حضرات عمر بن خطاب، حمزہ بن عبدالمطلب اور ابوعبیدہ بن جراح علانیہ دعوت دیتے تھے[۱۵]۔ ان میں سے متعدد حضرات کی دعوت اور قبول اسلام اور ان کے تبلیغی اثرات کا ذکر اوپر آچکا ہے کہ ان کی مساعی سے مکہ کے مختلف خاندانوں کے ممتاز افراد وطبقات نے اسلام قبول کیا تھا۔

تبلیغ ودعوت کے طریقے دراصل حکمت ومصلحت پر مبنی ہوتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے ان کی ہمیشہ رعایت رکھی کبھی خفیہ طور سے دعوت اور اسلام کا اخفا، ضروری اور نتیجہ خیز ہوتا ہے جیسا کہ اسلامی دعوت کے اولین تین برسوں میں طریقہ اپنایا گیا اور نہ صرف مسلمانوں یا اسلام قبول کرنے والوں نے مصلحت وحکمت کے تحت اپنے اسلام کو مخفی وپوشیدہ رکھا بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دور میں اکثر حضرات کو اس کی ہدایت فرمائی۔ یہاں تک کہ جب علانیہ دعوت کا زمانہ آگیا تو بھی بعض حضرات نے اسی میں مصلحت دیکھی اور حکمت پائی کہ اسلام کی تبلیغ خاموشی سے اور پوشیدہ طریقہ سے کریں۔ بسا اوقات اظہار واعلان اسلام میں قباحتیں زیادہ اور مشکلات صبر آزما ہوتی ہیں۔ اسی لیے حضرات ابوبکر وسعید وعثمانؓ نے خفیہ تبلیغ کا طریقہ استعمال کیا۔ اس کے برعکس بعض حالات اور صورتوں میں علانیہ دعوت وتبلیغ کرنے اور اسلام کا اعلان واظہار کرنے میں مصلحت وحکمت ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضرات عمر وحمزہ وابوعبیدہ کا طریقہ کار تھا۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں طریقوں میں مبلغین اور داعیوں کی اپنی اپنی شخصیت، مزاج اور رجحان کا بھی کسی حد تک اثر اور دباؤ ہوتا ہے ان عناصر کو بھی نظر انداز کرنا کسی طور صحیح نہیں۔

اظہار واعلان اسلام بھی دعوت وتبلیغ کے زاویے رکھتا ہے۔ اس کی مثال حضرت عمرؓ کے قبول اسلام اور اظہار دین میں ملتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اسلام قبول کرنے کے بعد انھوں نے پہلا کام تو یہ کیا کہ اپنے حقیقی ماموں ابوجہل بن ہشام مخزومی کو، جو اسلام کا سب سے بڑا دشمن اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کا عظیم ترین مخالف تھا، اپنے اسلام کی خبر خود اس کے گھر جا کر دی۔ پھر ایسے شخص کی تلاش کی جو ان کے قبولِ اسلام کے واقعہ کو جلد از جلد اور زیادہ سے زیادہ مشتہر کر سکے۔ تفتیش وتلاش سے معلوم ہوا کہ جمیل بن معمر جمحی خبریں پھیلانے کا کاروبار کرتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس کو جا کر اپنے قبولِ اسلام کی خبر دی اور وہ فوراً اس کا اشتہار واعلان کرنے نکل کھڑا ہوا اور سب سے پہلے اس نے مسجد حرام پہونچ کر مجالسِ قریش میں جمع اکابرِ مکہ کو خبر دی حضرت عمرؓ اس کے پیچھے پیچھے لگے رہے اور سب کے سامنے اپنے اسلام لانے کا اقرار واعتراف کیا۔ حالانکہ انھوں نے قریش کے بعض لوگوں سے خوب مار کھائی لیکن ان کے اسلام کے اعلان کے ساتھ ہی ان کو قریش کے ایک سمجھ دار اور بااثر سردار عاص بن وائل سہمی کی حمایت وحفاظت مل گئی[۱۱۵] حضرت عمر کے قبولِ اسلام اور اظہارِ دین کا اثر اس وقت کے قریش مکہ پر کیا پڑا؟ اس کا اندازہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کے تبصرہ سے ہوتا ہے کہ علانیہ دعوت کے آغاز کے تین سال بعد بھی مسلمانانِ مکہ مسجدِ حرام میں باجماعت اور علانیہ نماز نہیں پڑھ سکتے تھے لیکن حضرت عمر کے اعلانِ اسلام کے بعد مسلمانوں نے حضرت عمر کی قیادت وشجاعت اور شہامت میں قریشی اکابر سے لڑ بھڑ کر مسجدِ حرام میں علی الاعلان نماز پڑھنے کا حق حاصل کر لیا[۱۱۶] اور کسے معلوم کہ ان کی جرأت وجسارت نے کتنے کمزور مسلمانوں کو قوت دی ہوگی، کتنے خفیہ اسلام رکھنے والوں کو جرأت اظہار دی ہوگی اور کتنے غیر مسلموں کو اسلام لانے کی ترغیب دی ہوگی[۱۱۷]

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی داعیانہ تربیت وتعمیرِ شخصیت کا مظاہرہ صرف مکی اور قریشی داعیوں کی دعوت وتبلیغ کی صورت میں نہیں محدود رہا بلکہ بیرونی اور بدوی قبائل کے مسلموں کی داعیانہ مساعی اور تبلیغی کوششوں کے ذریعہ جزیرۂ نمائے عرب کے مختلف گوشوں اور علاقوں میں بھی وسیع ہوا۔ مثال کے طور پر حضرت ابوذر غفاری اور ان کے پرجوش داعیوں کے ذریعہ مکہ اور مدینہ کے درمیان بسنے والے دو قبیلوں غفار واسلم کی نصف آبادی مکی دور میں مسلمان ہوگئی اور نصف نے ہجرت نبوی کے وقت اسلام قبول کیا۔ حضرت طفیل بن عمرو دوسی کے ذریعہ ان کے قبیلہ اور جنوبی عرب کے دوسرے قبیلوں میں اسلام پھیلا، حضرت ابوموسی اشعری نے انتہائی جنوب میں اسلام پھیلایا۔ ضماد بن ثعلبہ نے اپنی قوم ازد کو مسلمان بنانے کی سعی کی۔ مشرق میں قبیلہ

عبد القیس اور ان کے پڑوسیوں کو حضرت الاشج اور ان کے بھتیجے نے اسلام سے روشناس کیا، معیقب بن ابی فاطمہ دوسی، بریدہ بن الحصیب اسلمی اور جعال بن سراقہ اور عمرو بن عبسہ سلمی کی داعیانہ مساعی نے عمدہ اثرات مرتب کیے اور نہ جانے کتنے اسلامی داعی تھے جن کی تعلیم و تربیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی اور ان کو تبلیغ کے کام پر لگا دیا تھا۔[۶۸]

لیکن ان سب سے اہم کارنامہ مدنی مبلغوں اور داعیوں کا تھا۔ خود مدینہ نژاد داعیوں میں حضرت سوید بن صامت، اسعد بن زرارہ وغیرہ ابتدائی نومسلموں نے اسلام کو مدینہ میں روشناس کرانے میں جو خدمت انجام دی تھی وہ کچھ کم اہم نہ تھی لیکن تبلیغ و تعلیم کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ سے حضرت مصعب بن عمیر عبدری کو مدینہ بھیجا تو وہاں اسلام بڑی تیز رفتاری سے پھیلا۔ حضرت مصعب کی تبلیغی مساعی اور داعیانہ طریقوں کا تعلق بھی عہد نبوی کے مکی دور سے ہے۔ انھوں نے ذاتی ملاقاتوں، تبلیغی دوروں، مذہبی اجتماعوں، دل چھو لینے والی تقریروں، متحد کرنے والی تنظیموں اور متعدد دوسرے طریقوں سے کام لیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ سے قبل شہر کی بیشتر آبادی کو مسلمان بنا لیا۔ دعوت و تبلیغ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا داعیوں کا مقرر کرنا اور مبلغوں کو تعلیم و تربیت دینا سب سے عظیم طریقہ تھا جو مستقل و مسلسل اور بعد کے زمانے میں تبلیغ و دعوت کے لیے بھی اسی طرح کارساز و کارفرما اور مشکل کشا بنا جس طرح وہ اپنے زمانے اور ماحول میں موثر و مفید اور مضبوط تھا۔[۶۹]

تلاش و تفحص اور تحقیق و تدقیق سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کی دعوت و تبلیغ کے بعض اور طریقے دریافت کیے جا سکتے ہیں لیکن ان تمام طریقوں کی افادیت اور تاثیر کا سب سے بڑا سبب بلکہ روح رواں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا عالی اور بیداغ کردار تھا۔

مدنی دور، تبلیغ و دعوت

مدینۂ منورہ میں اسلامی دعوت و تبلیغ کا کام اصلاً ان مدنی نومسلموں نے شروع کیا تھا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ مکرمہ میں ملاقات کر کے مشرف بہ اسلام ہوئے تھے اور پھر دین حق کے عطا کردہ جوش دعوت و ولولہ تبلیغ سے سرشار ہو کر اپنے وطن والوں اور عزیزوں کو دین و دنیا کی فلاح و خیر سے ہمکنار کرنا چاہتے تھے۔ حضرت سوید بن

صامتؓ کی دعوت نبوی سے تاثر پذیری، حضرات ایاس بن معاذ، اسعد بن زرارہ اور ذکوان بن عبد قیس کے قبولِ اسلام اور موخرالذکر دو کی دعوت و تبلیغ سے ابوالہیثم بن التیہان نے اسلام قبول کیا[51]۔ اور ان تینوں نے مدینہ منورہ کی سرزمین میں اسلام کا پہلا بیج بویا۔ ان تینوں کی دعوتی سرگرمیوں نے اہلِ مدینہ میں اسلام کی قبولیت کی راہ ہموار کی اور سنہ ۱۱ نبوی ۶۲۰ء میں پہلی بیعتِ عقبہ میں چھ مدنیوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر حج کے موسم میں عقبہ کے مقام پر اسلام قبول کیا۔ ان چھ خزرجیوں کی دعوت و تبلیغ سے متاثر ہو کر اہلِ مدینہ میں اسلامی تحریک چل پڑی اور بہت سے لوگ مسلمان ہوئے جن میں سے بارہ افراد نے جو پہلے مسلمان ہو چکے تھے اگلے سال مکہ جا کر آپ سے دوسری بیعتِ عقبہ کی۔ اسی بیعت عقبۂ ثانیہ کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر عبدری کو مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ بھیجا تاکہ وہ نومسلموں کی تعلیم و تربیت کریں اور غیر مسلموں کو اسلام اور دینِ حق کی طرف بلائیں۔ حضرت مصعب بن عمیر عبدری کا عظیم دعوتی کارنامہ یہ تو ہے ہی کہ انھوں نے اپنی مخلصانہ کوششوں اور پر جوش مساعی سے اوس و خزرج کے بعض اہم سرداروں اور شخصیات کو حلقہ بگوشِ اسلام کیا اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے داعیوں اور مبلغوں کی ایک عظیم المرتبت اور پر جوش جماعت پیدا کر دی اور ان دونوں نے مل کر تقریباً پورے مدینۂ منورہ کو اسلام کا مرکز اور قلعہ بنا دیا۔ اگلے سال ان مدنی مسلمانوں کے چھہتر نمائندوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ مکرمہ میں تیسری بیعتِ عقبہ کی اور نہ صرف اسلام کی دعوت و دین کے فرائض قبول کیے بلکہ آپ کی حمایت و حفاظت اور نصرت کا حلف بھی اٹھایا۔ اس بیعت نے ہجرت کی تمام شرائط پوری کر دیں۔ پہلے مکی اور قریشی مسلمان مدینہ آئے اور پھر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اسلامی تحریک اور تبلیغ و دعوتِ حق کا مدنی، خالص مدنی، دور شروع ہوا[52]۔

مدنی دورِ تحریک میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی دور کے بعض پرانے دعوتی طریقے اختیار کئے کہ وہ تجربہ سے کارگر و موثر ثابت ہو چکے تھے اور بعض نئے طریقے اپنائے کہ نئے حالات اور ان کے تقاضوں کے تحت ان کی ضرورت بھی تھی اور افادیت بھی زیادہ اور ہمہ گیر تھی۔ اگرچہ آپ کا سفرِ ہجرت سخت مشکل اور جاں گسل زمانہ تھا تاہم آپ اس دوران بھی اپنے فرائض سے غافل نہیں ہوئے۔ اس عہد ساز سفر کے دوران

آپ کی دعوت وتبلیغ کے تین نمونے اور طریقے نظر آتے ۔ اول سراقہ بن جعشم جس نے آپ کا تعاقب انعام کی لالچ میں کیا تھا کے رجحانِ اسلامی اور بعد میں قبولِ اسلام کا واقعہ اس میں آپ کی معجزانہ قوت اور صابرانہ عظمت کی کارفرمائی تھی۔ دوم حضرت ام معبد خزاعی اور ان کے شوہر حضرت ابومعبد خزاعی کا قبولِ اسلام جس میں آپ کی معجزانہ طاقت کے علاوہ شخصیت کی طہارت بھی کارساز بنی تھی اور سوم حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی اور ان کے ستر افراد کا دینِ حق قبول کرنا جس میں آپ کی دعوت وتبلیغ کی بڑی کامیابی تھی[۴۳]۔

ہجرتِ نبوی کے مشتاق نہ صرف مسلمانِ مدینہ تھے بلکہ مدینہ اور اس کے اطراف وجوانب کے غیر مسلم طبقات خاص کر مدینہ منورہ کے یہودی علماء بھی تھے کہ وہ آپ کی رسالت ودعوت کا شہرہ سن چکے تھے ۔ آپ کے مدینہ منورہ پہونچتے ہی مسلمانوں کے علاوہ متعدد یہودی علماء اور طبقات نے بھی آپ سے ملاقات کی اور آپ کی دعوت سنی۔ ان میں سے کئی یہودی علماء جیسے حضرات عبداللہ بن سلام اور زید بن سعنہ وغیرہ اسلام کی حقانیت پاکر اسی وقت اسلام لے آئے ۔حضرت سلمان فارسی نے بھی اسی زمانے میں اسلام قبول کیا ۔ ان دونوں واقعات میں اسلام قبول کرنے کے دوسرے محرکات بھی تھے جیسے یہودی یا دوسرے غیر مسلم علماء کی رسالتِ محمدی کے بارے میں بشارتیں، آپ کے بعض عادات وخصائل کا امتحان اور نشانیوں کی تصدیق وغیرہ لیکن اصلی چیز اسلام کا سچا پیغام اور آپ کی دعوت وتبلیغ تھی[۴۴] روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دو بدوی قبیلے — غفار اور اسلم — کے باقی نصف حصے بھی محض آپ کی ہجرت کی خبر سن کر اسلام میں داخل ہو گئے جب کہ ان کی نصف آبادی پہلے حضرت ابوذر غفاری اور ان کے ساتھی رفقاء کی دعوت وتبلیغ سے مسلمان ہو گئی تھی[۴۵]

مدینۂ منورہ میں قیام کے اولین زمانے میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت وتبلیغ کے پرانے طریقہ یعنی شخصی ملاقاتوں اور نجی زیارتوں یا دوسرے الفاظ میں تبلیغی دوروں سے دعوتِ اسلامی پھیلانے کا کام لیا۔ اس کی زیادہ مثالیں تو نہیں ملتیں کیونکہ قدیم سیرت نگاروں کی زیادہ تر توجہ مدنی دور کے دوسرے اہم مسائل پر مرکوز رہی لیکن کہیں کہیں ان واقعات کا بھی حوالہ بلا واسطہ یا بالواسطہ آ ہی جاتا ہے اسی اولین زمانے کا واقعہ ہے کہ آپ حضرت سعد بن عبادہ کی عیادت ومزاج پرسی کے

لیے جا رہے تھے کہ راستے میں عبداللہ بن ابی بن سلول خزرجی اپنے رفقاء و احباب کے ساتھ مجلس جمائے بیٹھا تھا آپ نے ان کو سلام کر کے اسلام کی دعوت دی جو انھوں نے بڑی نخوت سے نامنظور کر دی[۳۶]

مہاجرین کی آباد کاری، تنظیم معاشرۂ اسلامی اور بعض دوسرے کاموں سے فراغت ہوئی تو آپ نے اسلامی تبلیغ و دعوت کے ساتھ ساتھ سیاسی اتحاد و اتفاق کی غرض سے بعض جماعتیں صحابۂ کرام کی سرکردگی میں اور بعض اپنی کمان میں مدینہ منورہ کے قرب و جوار میں آباد قبائل جیسے مزینہ، جہینہ، ضمرہ، مدلج وغیرہ کے علاقوں میں بھیجیں یا بنفس نفیس لے کر گئے۔ قدیم مورخین اور سیرت نگاروں نے ان تمام تبلیغی مساعی اور دعوتی نقل و حرکت کے لیے غزوات و سرایا کی اصطلاحیں استعمال کی ہیں جن کا جدید دور میں عام مفہوم جنگی مہموں کا دانستہ یا نادانستہ نکال لیا گیا۔ اس موضوع پر زیادہ بحث کرنے کی یہاں گنجائش نہیں لیکن چند موٹی موٹی شہادتیں بیان کر دینے سے مسئلہ کی صورت اور نوعیت واضح ہوتی ہے۔ مثلاً قدیم مورخین و سیرت نگار بئر معونہ، رجیع کی تبلیغی جماعتوں اور حدیبیہ اور عمرۂ قضا اور حجۃ الوداع کی مذہبی نقل و حرکت کو بھی غزوات و سرایا ہی میں شمار کرتے ہیں۔ بہرحال ہجرت کے چھ ماہ بعد اور غزوۂ بدر سے قبل آپ نے کم از کم دس مہمیں یا جماعتیں مرتب کیں۔ ان میں سے نخلہ کے سریۂ عبداللہ بن جحش اور عسفان کے غزوۂ نبوی جیسے بعض اقدامات تو بلاشبہ فوجی نوعیت کے تھے یا حالات کے تحت فوجی بن گئے تھے لیکن زیادہ تر ابتدائی مہمیں تبلیغی نوعیت کی تھیں اور اسلام کی تبلیغ و دعوت کے لیے مرتب کی گئی تھیں۔ اولین مقصد یعنی قبولِ اسلام کے حاصل نہ ہونے کی صورت میں قرب و جوار کے قبائل سے سیاسی معاہدے کر لیے گئے تاکہ ان کو قریش مکہ کے اثرات سے آزاد کیا جا سکے۔ یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ ان تبلیغی وفود کی حیثیت بسا اوقات ریاستِ اسلامی کے سیاسی اور انتظامی سربراہ کی جانب سے کیے جانے والے اقدامات کی بھی ہوتی تھی[۳۷]

جو غلط فہمی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی مہموں کی نوعیت کے بارے میں قدیم و جدید مورخوں اور سیرت نگاروں کو ہوئی وہی یا اس طرح کی غلط فہمی تمام سرایا اور غزوات کے بارے میں ساری دنیا کو ہوئی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہمیشہ ان کو فوجی مہموں اور جنگوں کی شکل میں سمجھا اور سمجھایا گیا۔ حالانکہ یہ حقیقت سب جانتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے سارے اقدامات کا مقصد دینِ مبین کی تبلیغ اور کلمۂ الٰہی کی سرفرازی اور سربلندی ہوتا تھا۔ بدقسمتی سے ابھی تک آپ کے سرایا اور غزوات کا تجزیہ فوجی اور حربی نقطۂ نظر سے کیا گیا اور ان کو آپ کے دعوتی اقدامات اور تبلیغی مساعی کے پس منظر میں اور ان کے سلسلہ کی ایک اہم کڑی کے طور پر نہیں دیکھا گیا حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام سرایا اور غزوات آپ کے تبلیغی منصوبہ کے اہم اقدامات اور مراحل کی صورت رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے تمام مبینہ فوجی اقدامات کے محرکات اور مقاصد دنیا دار حکمرانوں اور سپہ سالاروں کی جنگی مہموں اور فوجی اقدامات سے قطعی مختلف تھے۔ بنیادی طور سے نبوی سرایا و غزوات کو تین حصوں میں ان کی ظاہری اور معنوی دونوں صورتوں کے لحاظ سے تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اول وہ سرایا و غزوات جو خالص تبلیغی اور دعوتی جماعتیں تھیں۔ دوم خالص مذہبی اور اسلامی سرگرمیاں تھیں اور سوم بظاہر فوجی مہمیں تھیں۔ دعوت و تبلیغ کے لحاظ سے ہم ان کا مختصر تجزیہ ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

غزوۂ بدر سے قبل کی دس ابتدائی مہموں کا مختصر جائزہ اوپر لیا جا چکا ہے۔ ان کے بارے میں مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن ان کے نتائج و مقاصد کے بارے میں یہ کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بعض مستشرقین اور اسلام دشمن مورخوں نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ غالباً یہی زمانہ تھا اور یہی مہمیں تھیں جن کے نتیجہ میں مدینہ منورہ کے مغربی علاقوں کے بدوی قبائل نے اسلام قبول کیا تھا اور اسلامی ریاست کے حدود میں ضم ہو گئے تھے[۵۴] دوسری تبلیغی مہموں میں سب سے اہم اور اولین سریہ بئر معونہ ہے۔ قبیلہ کلاب کا سردار ابو براء عامر بن مالک خدمت نبوی میں ۴ھ میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ چند لوگوں کو میرے ساتھ کر دیجئے کہ میری قوم کو اسلام کی دعوت دیں۔ آپ نے اس کی ضمانت پر ستر قرار ساتھ بھیج دئے جو بعد میں قبیلہ عصیہ، رعل، ذکوان وغیرہ کے دشمنوں کے ہاتھوں شہید ہوئے[۵۵] دوسری تبلیغی مہم رجیع کی تھی جو اسی سال عضل اور قارہ کے نومسلموں کو اسلام کے احکام سکھانے اور قرآن مجید پڑھانے کے لیے بھیجی گئی تھی اور ظاہر ہے کہ وہ غیر مسلموں میں تبلیغ و دعوت کا فرض بھی ادا کرتی لیکن واقعہ بئر معونہ کی مانند اس کے دس مجاہدین، مبلغین اور معلمین کو راہِ حق میں شہید کر دیا گیا[۵۶]۔ حضرات علاء بن حضرمی اور عمرو بن عاص سہمی کی دو مہمیں جو بالترتیب بحرین اور عمان کی مملکتوں میں تبلیغ دین کے لیے بھیجی گئی تھیں، پوری طرح سے کامیاب رہیں۔ حضرت خالد بن ولید مخزومی نے بنو الحارث بن کعب اور بنو جذیمہ کے دو قبیلوں میں دو مختلف مہموں کے دوران

پوری کامیابی سے تبلیغ و دعوت کا کام کیا تھا۔ جبکہ حضرت علی بن ابی طالب کی مہم/سریہ نے ہمدان اور مذحج کے لوگوں کو مشرف بہ اسلام کیا تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے دومۃ الجندل کی مہم میں بنو کلب کے آدھے حصہ کو اپنی دعوت و تبلیغ سے اسلام کے حلقہ میں داخل کر لیا تھا۔ طبری کا بیان ہے کہ اپنی حیاتِ طیبہ کے آخری دنوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کم از کم آٹھ تبلیغی جماعتوں کو جزیرہ نمائے عرب کے مختلف علاقوں میں تبلیغ و دعوت کی خاطر بھیجا تھا۔ یہ ان سرایا و غزوات کا ایک سرسری تجزیہ ہے جن کو فوجی مہم اور جنگی اقدام بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ اگر مفصل تجزیہ کیا جائے تو ایسی تبلیغی اور دعوتی جماعتوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہو سکتا ہے[۸۱]۔

مذہبی نوعیت کے سرایا و غزوات میں وہ تمام مہمیں شامل ہیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج و عمرہ کے لیے ترتیب دیں جیسے حدیبیہ، عمرۃ القضا اور حج ابوبکر صدیق اور حجۃ الوداع کی مہمیں یا سرایا اور غزوات یا وہ متعدد مہمیں جو آپ نے جزیرہ نمائے عرب کے مختلف علاقوں کے صنم کدوں کو مسمار کرنے کے لیے روانہ فرمائیں جیسے حضرت خالد کی مہم نخلہ، حضرت عمرو بن عاص کی مہم سواع، حضرت سعد بن زید کی مہم منات، حضرت ہشام بن عاص کی مہم یلملم، حضرت خالد بن سعید کی مہم عرنہ، حضرت خالد بن سعید کی مہم عرنہ، حضرت علی کی مہم الفلس حضرات ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ کی مہم لات اور حضرت جریر بن عبداللہ کی مہم ذوالخلصہ وغیرہ[۸۲]۔ اگرچہ ان تمام مہموں کا مقصد بظاہر ان علاقوں کو بتخانوں سے پاک کرنا تھا لیکن حقیقت میں وہ اعلائے کلمۃ اللہ کی مساعی تھیں۔ ان کی تباہی اور بربادی کو دیکھ کر بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ مثلاً نخلہ کے بت کدہ کے پروہت نے اپنے قومی صنم عزیٰ کی اور صنم قریش سواع کی بربادی اور بے چارگی مسلم امیروں کے ہاتھوں دیکھی تو وہ فوراً اسلام لے آئے۔ ایسے کئی واقعات کو تلاش کر کے بیان کیا جا سکتا ہے۔ علامہ شبلی نے غزوات و سرایا کے پانچ انواع و اسباب یا محرکات و مقاصد منتخب کیے ہیں جن میں سے پانچواں اشاعتِ اسلام ہے اور اس سرخی کے تحت انھوں نے چھ سات سرایا کا ذکر کیا ہے۔ ان میں بیر معونہ، رجیع کے علاوہ غزوۂ بنی لحیان، سریہ ابن ابی العوجا اور سریۂ کعب بن عمیر کے ساتھ ساتھ حضرت خالد بن ولید کے سریۂ بنی جذیمہ کے بارے میں صراحت کی ہے کہ وہ اشاعت اسلام کے لیے بھیجے گئے تھے اور ان کو قدیم ماخذ سے مدلل کیا ہے۔ فتح مکہ کے بعد شہر الٰہی کے ارد گرد کے علاقہ میں جو سرایا

بھیجے گئے تھے وہ طبری کی صراحت کے مطابق صرف دعوتِ حق دینے کے لیے بھیجے گئے تھے نہ کہ جنگ وجدال کے لیے[۸۳]

سرایا وغزواتِ نبوی کے سلسلہ میں اگر ایک بنیادی حقیقت نگاہوں کے سامنے رہے تو نہ صرف ان کی صحیح مذہبی نوعیت اجاگر رہے بلکہ ان کے تبلیغی اور دعوتی پہلو اور مقاصد بھی واضح رہیں۔ اشاعتِ اسلام کی خالص تبلیغی مہمات اور دوسرے مذہبی سرایا وغزوات کے علاوہ جو خالص فوجی مہمیں اور جنگیں سمجھی جاتی ہیں ان میں بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت وتبلیغ کے اولین فریضہ کو سب پر مقدم رکھا۔ آپ کا غیر مبدل اصول تھا کہ غزوات میں فوجی کارروائی شروع کرنے سے قبل فریق مخالف کو اسلام کی دعوت ضرور دیتے تھے اور سرایا میں ان کے امرا کو بھی حکم دیتے تھے کہ وہ پہلے اسلام پیش کریں، پھر صلح وجزیہ کی تجویز رکھیں اور آخر میں جب کوئی چارہ نہ رہ جائے تو جنگ کریں۔ جنگِ بدر سے قبل آپ کی دعوتِ اسلام کا ذکر عام طور سے نہیں ملتا ہے لیکن عدم ذکر اصولِ نبوی سے انحراف کو مستلزم بھی نہیں ہے[۸۴] غزوۂ قینقاع سے قبل آپ نے یہودیوں کو اسلام لانے کی بڑی دردمندانہ دعوت دی تھی[۸۵] اور دوسرے غزوات میں بھی یہی آپ کا طریق کار رہا تھا۔ اسی طرح سرایا میں بھی آپ امرائے لشکر کو تبلیغ اسلام کرنے کا حکم دیتے تھے۔ مثلاً بنو کلب کے خلاف حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی مہم میں ان کو پہلے اسلام کی دعوت دینے کا حکم دیا تھا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دعوت وتبلیغ سے متاثر ہو کر نصف قبیلہ مسلمان ہو گیا تھا۔ سریۂ موتہ میں حضرت زید بن حارثہ کو بھی آپ نے یہی حکم دیا تھا کہ پہلے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا"۔ یہ چند مثالیں ہیں ورنہ یہ آپ کا اصول تھا کہ اسلامی دعوت اور دین کی تبلیغ کو ہر کارروائی سے پہلے اور ہر اقدام سے قبل مقدم رکھتے تھے[۸۶]

خالص جنگی اقدامات کے دوران بھی آپ تبلیغ ودعوت کے واضح اور براہ راست طریق کو کبھی نظر انداز نہ فرماتے تھے مثال کے طور پر آپ کا ایک طریق کار یہ بھی تھا کہ اسلامی فوج میں کسی غیر مسلم کو شرکت اور تعاون کی اجازت نہ دیتے تھے۔ "بدر کے راستہ میں مقام حرۃ الوبرہ میں ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا جس کی ہمت اور شجاعت کا شہرہ تھا اس نے اپنی فوجی امداد وتعاون کی پیشکش کی مگر آپ نے اس لیے قبول نہیں کیا کہ وہ مشرک تھا۔ دوبار ایسا ہوا آخر کار تیسری بار وہ مقام بیداء پر ملا اور اسلام لے آیا اور

شریک جنگ ہوا۔ غزوۂ احد سے قبل مدینہ کے ایک صاحب جائداد اور عالم یہودی حضرت مخیریق نے اسلام قبول کیا اور غزوہ میں لڑ کر جان دی اور شہید ہوئے[۸۸]۔ دوران جنگ ایک شخص آپ کے پاس مسلح ہو کر آیا اس نے لڑنے کی اجازت مانگی آپ نے اسلام قبول کرنے کی شرط رکھی۔ وہ مسلمان ہوا اور پھر شہید[۸۹]۔ فتح مکہ سے قبل حضرت ابوسفیان بن حرب اموی کا قبول اسلام[۹۰] اور غزوۂ طائف کے دوران ثقیف کے متعدد غلاموں کا اظہارِ دین آپ کے اسی حکیمانہ اصولِ تبلیغ و دعوتِ دین کا نتیجہ تھا[۹۱]۔ تبلیغ و دعوت کے اس عظیم طریقہ کی مثالیں بہت ملتی ہیں۔ ان تمام مثالوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر غیر مسلموں پر دینِ اسلام کی حقانیت ثابت کر دی جائے تو وہ پھر بہت سی مصالح اور مشکلات کے باوجود قبولِ اسلام سے زیادہ دن دور نہیں رہ سکتے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ان خالص فوجی اور جنگی کارروائیوں سے ان پر حق واضح کر دیا تھا اور ان میں سے جو عصبیتِ جاہلیہ کے اندھیرے سے نکل آئے وہ اسلام سے مشرف ہوئے۔

اسی طرح اگر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے اصول جنگ کو بخوبی سمجھ لیا جائے تو غزوات و سرایا کے دعوتی پہلو بھی بخوبی سمجھ میں آجائیں گے اور عہد نبوی میں تیزی سے قبولِ اسلام کے اسباب و رفتار بھی۔ آپ کا ایک اور غیر مبدل اصول اور ناقابل تنسیخ سنت یہ تھی کہ آپ قوت و طاقت کے ذریعہ معاندین و مخالفین کی اسلام مخالف طاقت ضرور توڑنا چاہتے تھے مگر اسلام کے منکرین اور اپنے دشمنوں کو ختم کرنا نہیں چاہتے تھے بلکہ ان کے دل جیت کر ان کو فلاح و صلاح کا راستہ دکھانا چاہتے تھے[۹۲]۔ یہی سبب ہے کہ طاقت کے استعمال کے بعد آپ نے طرح طرح سے مغلوب دشمن کی تالیفِ قلب فرمائی اور ان کو براہِ راست یا بالواسطہ دین کی طرف بلایا بدر میں گرفتار شدہ قریشی قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک اور زرِ فدیہ کے عوض یا بلا قیمت ان کی آزادی[۹۳]، غزوۂ مریسیع کے بعد بنو مصطلق کے سردار کی بیٹی سے شادی کر کے ان کے قیدیوں کی آزادی اور مال کی واپسی[۹۴]، فتح مکہ کے بعد طاقت کے باوجود خون خرابہ سے احتراز اور اکابرِ قریش اور دشمنانِ مکہ کی نہ صرف معافی بلکہ ان کا اعزاز و اکرام اور ان کے ساتھ بے پایاں حسنِ سلوک[۹۵]، غزوۂ حنین کے ہزارہا افراد کی قید سے بلا عوض اور کریمانہ آزادی[۹۶]، طائف کے لوگوں پر رحم و کرم اور ان کے خلاف فوجی اقدام سے گریز[۹۷]، مختلف غزوات میں نہ صرف قیدیوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور مغلوبوں کے

ساتھ کرم گستری بلکہ مفرورین کے لیے عفوو درگذری کا اعلان اور نہ جانے کتنے ہی ایسے اقدامات تھے جن کے سبب فتوحات کے بعد تلوار کے سایہ میں اسلام پھیلا۔ کیونکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کا سایہ سایۂ رحمت تھا، سایۂ جبر واکراہ اور ظلِ ظلم وستم نہیں تھا غزوات وسرایا کے اسی پہلو نے نہ صرف دہ سالہ فوجی اقدامات اور جنگی کارروائیوں میں قتل وخوں ریزی کی سطح بہت نیچی رکھی[۹۹] بلکہ ان کو دعوت وتبلیغ کا ایک موثر طریق نبوی بنانے میں بھی مدد دی۔

یہاں ایک اور اہم حقیقت سمجھ لینی ضروری ہے۔ اسلام میں، جیسا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے بھی واضح ہوتا ہے فوجی قوت، معاشرتی طاقت اور سیاسی سطوت کا حصول ضروری ہے کہ اسلام کا کلی نفاذ ان کے بغیر ممکن نہیں لیکن وہ بجائے خود ضروری یا مقصود نہیں ہیں۔ وہ سب محض ذرائع اور وسائل ہیں جن کو اسلام کی چاکری میں لگانا ناگزیر ہے۔ ان کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ غیر مسلموں تک اسلام کی دعوت پہونچائی جائے اور اس تبلیغ ودعوت میں ان فوجی، سیاسی اور معاشرتی اسباب وذرائع سے کام تو لیا جائے مگر کسی کو بھی اسلام کی دعوت قبول کرنے پر کسی طرح مجبور نہ کیا جائے۔ البتہ مسلمانوں میں اسلامی اصول وتعلیمات کے نفاذ کے لیے ناگزیر صورتوں میں جبر واکراہ کا حربہ اور ذریعہ استعمال کیا جا سکتا ہے اور وہ بھی تمام پرامن اور تبلیغی ذرائع کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام تر فوجی، سیاسی، سماجی اور اقتصادی قوتوں کو اسلام اور دینِ حق کی تبلیغ کے لیے وقف کیا اور ان سب کو حتی کہ پوری ریاست وحکومتِ اسلامی کو دعوتِ دین کے کام میں لگا دیا۔

اسی سلسلۂ غزوات وسرایا میں صلحِ حدیبیہ کا تاریخ ساز اور عہد آفریں واقعہ پیش آیا جس کو اللہ تعالی نے خاص اپنی عطا کردہ فتحِ مبین قرار دیا ہے[۱۰۰] اور ستم ظریفی یہ ہے کہ اسی واقعہ سے موجودہ دور کے مسلمانوں کو انفعالیت اور مجہولیت کا سبق پڑھایا جا رہا ہے[۱۰۱]۔ ہمارے قدیم وجدید سیرت نگاروں اور مورخوں نے حدیبیہ کی فتح مبین کے پہلوؤں اور مضمرات پر خوب بحثیں کی ہیں[۱۰۲] دوسرے مضمرات وامکانات سے قطعِ نظر صلحِ حدیبیہ کا جائزہ اور تجزیہ اسلامی دعوت وتبلیغ کے زاویہ سے لینا یہاں مقصود ہے کہ ہمارے خیال میں وہی اہم ترین اور تاریخ ساز ہے۔ اس صلح سے اس فوجی آویزش اور سیاسی کشاکش کا تو خاتمہ ہوا ہی جو قریشِ مکہ کے بعض جنگجو اور دشمن امن وامان اور عدوِ سلامتی واسلام نے برپا کی تھی، ساتھ ہی مصالحانہ میل جول اور برادرانہ ملاقات کا دور شروع ہوا جو علانیہ دعوتِ اسلام

کے بعد قریشی جارحیت اور تعذیب کے بعد سے عنقا ہو چکا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کی شرائط میں قریشی غرور اور ملکی سیادت کی شکست تو دیکھ ہی لی تھی آپ کی دور اندیش فہم نے اس عمدہ فضا اور مناسب ماحول کا ادراک بھی کر لیا تھا جو قریشی اکابر و عوام کو اسلام کے قریب لا سکتا تھا۔ دراصل عداوت و مخاصمت کی فضا نے قریشی شیوخ و عوام کی آنکھوں پر پردے ڈال دئے تھے اور وہ اسلام کو سمجھنے کی کوشش ہی نہ کرتے تھے۔ صلح حدیبیہ کے بعد جوں ہی یہ معاندانہ روش دور ہوئی تو انھوں نے اسلام کی دعوت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغامبری کو سمجھنے کی کوشش کی اور اس کا لازمی اور واحد نتیجہ یہ نکلا کہ انھوں نے اسلام کے حلقہ میں داخل ہونے میں دیر نہیں لگائی۔ حضرات خالد بن ولید مخزومی، عمرو بن عاص سہمی، عثمان بن طلحہ عبدری، معاویہ بن ابی سفیان اموی اور نہ جانے کتنے دوسرے قریشی اکابر اسی عہد ساز واقعہ کے بعد اسلام لائے [۱۰] ان کے قبول اسلام کے محرکات و عوامل کے تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صلح حدیبیہ نے افہام و تفہیم اسلام کا وہ باب کھولا تھا جو باہمی مناقشت نے مدتوں سے بند کر رکھا تھا۔ امام زہری نے اسی حقیقت کو یوں بیان کیا تھا: "اسلام میں اس سے بڑی اور کوئی فتح پہلے نہیں ہوئی۔ جب بھی لوگ ملتے جنگ ہوتی، لیکن جب صلح و آشتی ہوئی اور جنگ جوئی ختم ہوئی اور لوگوں کو ایک دوسرے سے امن محسوس ہوا تو جب بھی ملتے گفتگو اور بحث و مباحثہ کرتے اور جو بھی اسلام کے بارے میں سمجھ بوجھ کر گفتگو کرتا وہ اس کا حلقہ بگوش ہو جاتا۔ ان ڈو برسوں (صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے بیچ) میں اسلام میں اتنے لوگ داخل ہوئے جتنے کہ اس سے پہلے تھے یا اس سے بھی زیادہ [۱۱] صلح حدیبیہ دراصل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ کا ایک انتہائی موثر طریقہ تھا۔

اسلامی دعوت و تبلیغ کا ایک اہم ترین مرحلہ سلسلۂ غزوات و سرایا کے خاتمہ کے قریب فتح مکہ کی صورت میں نظر آیا۔ دس ہزار کے مسلح و آراستہ لشکر جرار کے ساتھ آپ نے اپنے سابقہ وطن اور عرب کے عظیم ترین شہر و مرکز کفر و عناد پر بزور شمشیر قبضہ کیا تو قریش کے اکابر و عوام سب آپ کے رحم و کرم پر تھے۔ آپ چاہتے تو ان کو کچل کر خاک میں ملا سکتے تھے لیکن آپ نے نہ صرف اپنے دشمنوں کو معاف کر دیا بلکہ

ان کو اپنے گلے لگا لیا۔ یہ آپ کے اصول جنگ و امن کا نتیجہ تھا کہ آپ مغلوب و مجبور دشمن سے انتقام لینا نہیں چاہتے تھے بلکہ ان کو اسلام کا فدائی اور شیدائی بنانا پسند کرتے تھے۔ آپ کے رحم و کرم کے عدیم المثال مظاہرہ اور دعوت پر پورا مکہ مسلمان ہو گیا اور اس خلوص دل اور سرشاری کے ساتھ مسلمان ہوا کہ اگلے ماہ حنین کے میدان میں وہ اسلام کے پرچم تلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امارت و قیادت میں ہوازن و ثقیف سے اسلام اور اللہ کے دین کے لیے نبرد آزما تھا حالانکہ وہ قریش اور مکہ کے اکابر کے قریبی عزیز و رشتہ دار تھے۔ فتح مکہ کی بشارت و پیش گوئی دراصل صلح حدیبیہ کی فتح مبین میں دے دی گئی تھی اور پھر اس واقعہ کے بعد مکہ ہی فتح نہیں ہوا بلکہ پورا عرب اسلام قبول کرنے کے لیے دوڑ پڑا۔ سیرت نگاروں اور مورخوں کا بیان ہے کہ جب سے قریش مکہ اور مسلمانانِ مدینہ کے درمیان سیاسی کشمکش اور فوجی آویزش شروع ہوئی تھی، پورا عرب اس پر نظر جمائے بیٹھا تھا کہ کس کی فتح ہوتی ہے اور اسلام کی فتحِ مبین دیکھ کر لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو گئے جیسا کہ شہادت الٰہی ہے یہ محض اسلام کی سیاسی قوت اور فوجی طاقت کے آگے خوددار عربوں کی سپردگی نہ تھی کیونکہ وہ دیکھ چکے تھے اور تجربہ کر چکے تھے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص کو بھی اسلام میں داخل کرنے کے لیے جبر و اکراہ سے کام نہیں لیتے اور اسلام نے ان کے لیے جزیہ اور صلح جویانہ زندگی کا متبادل برقرار رکھا تھا۔ متعدد ایسے قبائل، طبقات اور گروہ تھے اور بہت سے افراد بھی تھے جو شرحِ صدر نہ ہونے کے سبب اسلام میں فوراً داخل نہ ہوئے بلکہ کچھ مدت کے بعد جب ان کو پوری طرح یقین ہو گیا تو حلقہ بگوش بنے[۱۱]

اگرچہ غزوات و سرایا کے ضمن میں دعوتِ نبوی کی بعض مثالیں گذر چکی ہیں تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تلواروں کی چھاؤں میں بھی دعوت و تبلیغ پیش کرنے اور اسلام قبول کرنے کی چند اور مثالیں پیش کی جائیں۔ ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے نزدیک بنیادی کام اسلام کی دعوت و تبلیغ تھی۔ مشہور واقعہ ہے کہ ۵ھ میں غزوہ ذات الرقاع سے واپسی پر بنو محارب کا مشہور سردار دعثور بن حارث اچانک آدھمکا اور آپ کی تلوار درخت سے اتار کر پوچھا کہ آپ کو کون بچائے گا۔ آپ کے صبر و عزم سے بھرے ہوئے جواب سے کہ اللہ بچائے گا۔ وہ دم بخود رہ گیا اور

تلوار آپ نے لے لی اور اس کو معاف کردیا وہ آپ کے طریقہ اور رحم وکرم سے متاثر ہو چکا تھا کہ آپ کی دعوت نے اس کو اللہ کا بندۂ مومن بنا دیا اور نہ صرف وہ مسلم ہوئے بلکہ اپنے قبیلہ میں اسلام کے داعی بن کر پہونچے اور اسلام کی ایسی سرفروشانہ تبلیغ کی کہ بہت سے لوگ ان کے ہاتھ پر مومن بن گئے [۱۰۲] اسی طرح بنو حنیفہ کے ایک سردار ثمامہ بن اثال حنفی مسلمانوں کی قید میں آئے لیکن آپ نے ان کو رہا کردیا اور پھر وہ اسلام کے شیدائی اور مبلغ تھے [۱۰۳] ۶ھ/۶۲۸ء میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے داماد حضرت ابوالعاص بن ربیع عبد شمسی سریۂ زید بن حارثہ (سریۂ عیص) میں گرفتار ہوئے یا از خود مدینہ منورہ پہونچے آپ نے ان کے ساتھ حسن سلوک کیا۔ ان کا مال جو دراصل اہلِ مکہ کا تجارتی مال تھا واپس کردیا۔ وہ اس سے اتنے متاثر ہوئے کہ مکہ مکرمہ جا کر سب کا مال واپس کیا اور خود مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور اسلام قبول کرلیا۔[۱۰۴] عفوِ نبوی کا ایک اور ایسا ہی دلگداز واقعہ ہے کہ ایک اعرابی آپ پر حملہ کرنے کی نیت سے مدینہ آیا جس کو ابوسفیان اموی نے مکہ مکرمہ سے اسی غرض سے بھیجا تھا لیکن آپ نے اس کے ارادہ اور نیت کو جاننے کے باوجود معاف کردیا اور عفوِ نبوی نے اس کو آپ کی سچائی کا یقین دلا دیا اور وہ مسلمان ہوگیا۔[۱۰۵] تبلیغ و دعوتِ اسلام کا جو عظیم ترین اور بے مثال اصول وطریقۂ نبوی غزوات وجنگوں کے ضمن میں نظر آتا ہے وہ حضرت اسامہ بن زید کے واقعہ سے متعلق ہے۔ ایک سریہ میں جنگ کرتے وقت حضرت اسامہ نے ایک دشمن پر تلوار اٹھائی ہی تھی کہ اس نے کلمہ پڑھ لیا لیکن حضرت اسامہ نے اسے خوف پر محمول کرکے تلوار نہیں روکی جبکہ ان کے ایک شریک غازی انصاری نے روک لی تھی۔ واپسی پر حضرت اسامہ کو سخت ترین غصۂ نبوی کا سامنا کرنا پڑا اور آپ نے فرمایا: کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا۔[۱۰۶]

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اپنی فوجی قوت اور عسکری سطوت کو دعوت وتبلیغ کا ذریعہ بنایا تھا اسی طرح اپنی سیاسی طاقت اور انتظامی شہامت کو بھی اسلام کی چاکری اور اللہ کا دین پھیلانے میں لگایا تھا۔ عام طور سے سیرت نگارانِ نبوی اور مورخینِ اسلام یہ بیان کرتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے معًا بعد آپ نے شاہانِ عرب اور شیوخِ قبائل کے ساتھ ساتھ قرب وجوار کے تمام ملکوں کے حکمرانوں اور سلاطین کو بھی اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لیے خطوط لکھے۔ ان کے عمومی بیانات سے یہ تاثر قائم ہوتا ہے کہ صرف ۷ھ/۶۲۹ء

کے اوائل ہی میں آپ نے ان کو دعوتِ اسلام دینے کا فریضہ انجام دے دیا اور پھر کبھی ان کو دعوت نہ دی۔ یہ تاثر صحیح نہیں ہے اور نہ ہی یہ تاثر یا عمومی انداز بیان کہ آپ نے ۶ھ/۶۲۹ء سے قبل خطوط و مکاتیب کے ذریعہ اسلام کی دعوت نہیں دی۔[۱۱] اس مرحلۂ دعوت کی اہمیت یہ ہے کہ اس برس آپ نے سب سے زیادہ خطوط ارسال فرمائے اور خاص طور سے قرب و جوار کے سلاطین کے نام دعوت نامے بھیجے اس لیے یہ سال ذکر خاص کا موضوع بن گیا ورنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط و فرامین کا تجزیہ بتاتا ہے کہ مدنی دور حیات کا بیشتر حصہ خاص کر غزوۂ خندق کے بعد کا زمانہ مراسلاتی دعوت و مکاتیبی تبلیغ کا بھی زمانہ ہے۔[۱۲]

مکاتیب کے ذریعہ اسلامی دعوت و تبلیغ کو ہم دو حصوں میں بالعموم تقسیم کرتے ہیں۔ اول وہ خطوطِ نبوی جو غیر ملکی حکمرانوں اور شہنشاہوں کے نام لکھے گئے اور دوم وہ خطوط نبوی جو عرب کے مختلف حکمرانوں/شاہوں (اقیال) اور قبائلی سرداروں کے نام بھیجے گئے۔ لیکن ایک تیسری تقسیم بھی کرنی چاہیے اور اس میں ان فرامین اور مکاتیب نبوی کو شامل کرنا چاہیے جو جزیرہ نمائے عرب کے مختلف طبقات، قبائل اور بطون کو مخاطب کر کے لکھے اور ان کی طرف بھیجے گئے تھے۔ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان مکاتیب و مراسلات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مختلف مخاطبوں کو اسلام کی دعوت دی تھی لیکن ان کے مختصر تجزیہ سے آپ کے طریقۂ دلنواز کا بھی پتہ چلے گا۔

قیصر روم/رومی/بازنطینی سلطنت کے حکمراں کو آپ نے جو دعوت دی اس کے الفاظ مبارک تھے:

من محمد عبد الله و	اللہ کے بندے اور رسول محمد کی جانب
رسوله الی هرقل عظیم الروم	سے روم کے حکمراں ہرقل کے نام سلامتی
سلام علی من اتبع الهدیٰ	ہو ان پر جو ہدایت کی پیروی کریں۔ حمد و
اما بعد۔ فانی ادعوك بدعایة	دعا کے بعد میں تم کو اسلام کی دعوت
الاسلام۔ اسلم تسلم۔ یؤتك	دیتا ہوں۔ اسلام لے آؤ محفوظ رہو گے
الله اجرك مرتین۔ فان	اللہ تعالیٰ تم کو تمہارا اجر دوبار (دوگنا)
تولیت فان علیك اثم	عطا کرے گا۔ اگر تم منہ پھیرو گے تو رومیوں

الیولیسین۔ (ملک کے لوگوں) کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا۔

آپ نے اس خط کا خاتمہ سورہ آل عمران کی آیت ۶۴ پر کیا تھا جو اہلِ کتاب کو مسلمانوں کے ساتھ توحیدِ الٰہی میں اشتراک کی دعوت دیتی ہے۔ دوسری عظیم ترین سلطنت کے شہنشاہ کسریٰ ایران کو آپ نے جو دعوت نامہ بھیجا تھا اس کے الفاظ مختلف ہیں کہ وہ اور اس کی قوم کافر تھی :۔

من محمد رسول الله	اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
الیٰ کسریٰ عظیم فارس سلام	کی طرف سے فارس کے حکمراں کسریٰ کے
علیٰ من اتبع الهدیٰ و	نام اس شخص پر سلامتی ہو جو ہدایت کی
اٰمن بالله و رسوله وشهد	پیروی کرے اور اللہ اور اس کے رسول
ان لا اله الا الله وحده	پر ایمان لائے اور گواہی دے کہ اللہ کے
لا شریك له وان محمد	سوا اور کوئی معبود نہیں اور وہ اکیلا اور
عبده و رسوله ۔ ادعوك	بلا شریک ہے، اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
بدعاية الله عزوجل فانی	اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں تم کو
انا رسول الله الیٰ الناس	اللہ عزوجل کی دعوت کی طرف بلاتا ہوں
كلهم لانذر من	کہ میں تمام انسانوں کی طرف اللہ کا رسول
كان حیا ویحق القول	ہوں۔ تاکہ جو زندہ ہے اس کو باخبر کروں
علی الكافرین اسلم	اور کافروں پر حجت تمام ہو جائے۔ اسلام
تسلم فان تولیت فعلیك	لے آؤ تو محفوظ و سلامت رہو گے۔ اگر
اثم المجوس ۔	تم روگردانی کرو گے تو تمام مجوسیوں کا گناہ
	بھی تم پر ہوگا۔

وقت کی تیسری عظیم حکومت حبشہ کی تھی اور اس کے حکمراں نجاشی کو بھی آپ نے دعوتِ اسلام دینے کے لیے خط لکھا اس کا مضمون قطعی مختلف ہے۔ اللہ کی حمد کے بعد آپ نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں اسلامی عقیدہ بیان کرکے اللہ واحد کی طرف بلایا تھا اور اپنی اطاعت کی طرف نہ صرف اس کو بلکہ اس کی فوجوں کو بھی دعوت دی اور اپنی نصیحت و تبلیغ کا اتمام کرنے کے ساتھ اسے قبول کرنے کی ہدایت کی

تھی مصر کے حکمراں مقوقس کے نام آپ نے جو نامۂ مبارک لکھا اس کا مضمون ہرقل کے نام آپ کے نامہ کے مضمون سے پوری طرح ملتا جلتا ہے۔ زیریں شام کے حکمراں حارث غسانی کے نام آپ نے جو دعوتی خط لکھا اس میں آپ نے اس کو اللہ واحد پر ایمان لانے کی دعوت دی تھی اور ساتھ ہی اس کی حکومت و ملک باقی رہنے کی ضمانت بھی دی تھی۔ دوسرے غیر ملکی حکمرانوں میں آپ نے ایلہ کے اسقف اور باشندوں؛ فروہ بن عمرو بن حذامی عامل معان، حارث بن ابی شمر غسانی حاکم زیریں شام، جبلہ بن ایہم غسانی حاکم غسان، قبیلہ حدس/لخم اور زیاد بن جمہور لخمی، ہرمزان عامل کسریٰ، نفاثہ بن فروہ ذیلی شاہ سماوہ (عراق) وغیرہ کو دعوتی مکاتیب لکھے تھے۔ اس ضمن میں امام مسلم کی ایک روایت بہت اہم ہے جس کے مطابق آپ نے کسریٰ، قیصر اور نجاشی کے علاوہ ہر غیر مسلم (جبار) حاکم کو دعوتی خطوط بھیجے تھے۔[۱۱۳]

ملکی حکمرانوں میں سے آپ نے بحرین کے حکمراں منذر بن ساویٰ، عمان کے دو حکمرانوں جیفر بن جُلندیٰ اور عبد بن جلندیٰ، یمامہ کے سردار و رئیس ہوذہ بن علی، زود اور مران کے حکمرانوں، شاہِ حمیر، یمامہ کے دوسرے سردار مسیلمہ کذاب، کلاع اور ظلیم کے شیوخ وغیرہ متعدد حکمرانوں اور شاہوں کے نام آپ نے وقتاً فوقتاً دعوت نامے بھیجے تھے جن میں ان کو اسلام کی دعوت دی تھی۔ جن قبائل و طبقات کو آپ نے مجموعی طور سے اسلام کی دعوت دی تھی ان میں طائف کے ثقیف، شمال مشرقی سرحد کے بنو بکر بن وائل نجران کے عیسائی/نصاریٰ بالخصوص ان کے ضغاطر الاسقف (عظیم ترین پوپ/پادری) بنو کلیب اور ان کے حلفاد بنو عامر بن صعصعہ بنو صیداء/اسد اور بنو ویل، بنو حارثہ بن قریط، بنو تمیم، اشجع اور بجیلہ، حضر موت، وغیرہ متعدد قبائلِ یمن شامل تھے۔ ان تمام دعوت ناموں کے ساتھ آپ کے سفیرانِ محترم بھی گئے تھے جو اسلام کے مبلغین اور دعاۃ تھے کہ انھوں نے مخاطبین کی درخواست پر یا از خود ان کے سامنے اسلام کی دعوت اپنے الفاظ و کردار میں پیش کی تھی۔ جیسا کہ حضرات دحیہ کلبی، عمرو بن امیہ ضمری وغیرہ کی تقاریر سے ظاہر ہوتا ہے۔ معان کے رومی والی فروہ بن عمرو حذامی نے آپ کے خط مبارک کے وصول ہونے پر ہی اسلام قبول کیا تھا۔[۱۱۴]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دعوتی مراسلات اور تبلیغی مکاتیب کو از حد کامیابی ملی تھی۔ غیر ملکی حکمرانوں میں سے ایران کے خسرو پرویز اور زیریں شام کے حارث

غسانی کے سوا سب نے اسلام کی حقانیت تسلیم کر لی تھی اور شاہ نجاشی نے تو اسلام بھی قبول کر لیا تھا۔ شہنشاہ روم اور شاہ مصر نے حق کو جاننے کے باوجود محض دنیاوی مصالح سے اسلام نہیں قبول کیا لیکن دعوت حق کا اعتراف کیا۔ غیر ملکی سلاطین کے بالمقابل ملکی اور عربی سلاطین اور حکمرانوں نے نسبتاً زیادہ تعداد میں اسلام قبول کیا تھا۔ مسیلہ کذاب اور ایک آدھ اور شیخ و قبیلہ کے سوا باقی سب نے اسلام قبول کر لیا تھا اور ان کے لوگوں/ قبائل نے بھی دعوت حق مان لی تھی۔ مآخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ان دعوتی خطوط و فرامین کا سلسلہ تا آخر جاری رہا۔[۳۱] ان خطوط نبوی نے پورے جزیرۂ نمائے عرب کے گوشہ گوشہ میں اسلام کی دعوت پہونچا دی تھی جہاں شخصی زیارتوں اور نجی ملاقاتوں کے ذریعہ اس کو پہونچانا خاص کر مواصلات اور رسل و رسائل کے ذرائع کی عدم موجودگی میں بہت مشکل بلکہ ناممکن تھا۔

فوجی طاقت اور سیاسی قوت کو اسلام کی دعوت میں لگانے کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے انتظامیہ کو خواہ وہ مرکزی ہو یا صوبائی یا مقامی اور اس کے عمال و کارکنان کو بھی اسلامی دعوت و تبلیغ کا کام سونپا تھا بلکہ اس کو ان کا اولین فرض قرار دیا تھا۔ امرائے سرایا کی مانند رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گورنروں، والیوں اور مرکزی منتظموں کو بھی دوسرے فرائض منصبی اور واجبات انتظامی کے ساتھ ساتھ اس کا بھی پابند کیا تھا کہ وہ اپنے علاقہ کے لوگوں میں اسلام کی دعوت پھیلائیں اور جو لوگ اس کو بخوشی قبول کریں ان کی اسلامی تعلیم اور دینی تربیت کا بندوبست کریں بلکہ خود بھی ان مذہبی فرائض و واجبات کو پوری تندہی سے انجام دیں۔ حضرت معاذ بن جبل خزرجی کو جب آپ نے پورے جنوبی عرب کا گورنر جنرل[۳۲] بنا کر بھیجا تو ہدایت فرمائی کہ تم اہل کتاب کی ایسی قوم کے پاس جا رہے ہو جو تم سے جنت کی کنجی کے بارے میں پوچھیں گے؟ تو ان سے کہنا کہ اللہ وحدہ لاشریک کی گواہی کلید جنت ہے۔ طبری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاذ کو غیر مسلموں میں اسلام کی تبلیغ اور مسلموں کو دین کی تعلیم کا حکم دیا گیا تھا اور وہ اپنے اعمال (زیر نگیں علاقوں) میں گھوم گھوم کر اللہ کے دین کی طرف لوگوں کو بلاتے اور مسلمانوں کو دینی تعلیم و تربیت دیتے تھے اور یہ ان کا اہم ترین فرض منصبی تھا۔[۳۳] یمن ہی کے دو اور والیوں حضرت خالد بن ولید مخزومی اور حضرت علی بن ابی طالب ہاشمی کو رسول اکرمؐ

نے اسلام کی دعوت دینے اور اسلام قبول کرنے والوں کی دینی تربیت دینے کی ہدایت کی تھی خوش قسمتی سے دونوں حضرات نے اسلام کی تبلیغ کامیابی کے ساتھ کی اور کافی مدت تک ٹھہر کران کو اسلام کے ارکان، فرائض، اخلاق اور دوسری تعلیمات سے آراستہ و پیراستہ کرنے میں بھی کامیابی پائی[۱۱۸] یمن کے دوسرے گورنروں جیسے حضرت عمرو بن حزم خزرجی، حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت زیاد بن لبید بیاضی وغیرہ کو اول اول اسلام کی تبلیغ کا حکم دیا گیا تھا اور انھوں نے اس پر پوری طرح عمل کیا تھا۔[۱۱۹] اسی طرح مقامی منتظمین، شیوخِ قبائل اور دوسرے افسرانِ انتظامیہ کا بھی اولین فرض دعوت و تبلیغ دین ہی تھا۔ اور اس کے بعد دوسرے فرائض آتے تھے۔ یہ دعویٰ بلا خوف تردید کیا جا سکتا ہے کہ عمالِ نبوی نے اپنے دعوتی اور تبلیغی فرائض بڑے خلوص، گہرے جذبے اور پوری تندہی سے انجام دئے تھے۔[۱۲۰]

حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کو جو ہدایات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن اور اس کے مختلف علاقوں پر حاکم بناتے وقت دی تھیں وہ اسلامی دعوت اور تبلیغ دین کے رہنما خطوط اور سنہری اصول ہیں۔ آپ نے ان سے فرمایا تھا: "سہولت سے کام کرنا، سخت گیری نہ کرنا۔ لوگوں کو خوشخبری سنانا، نفرت نہ دلانا۔ دونوں مل کر کام کرنا۔ تم کو ایسے لوگ ملیں گے جو پہلے سے کوئی مذہب رکھتے ہوں گے، جب ان کے ہاں پہونچنا تو پہلے ان کو توحید اور رسالت کی دعوت دینا، جب وہ اس کو تسلیم کریں تو کہنا کہ اللہ نے تم پر روز و شب میں پانچ وقت کی نماز بھی فرض کی ہے۔ جب یہ بھی مان لیں تو ان کو سمجھانا کہ تم پر زکوٰۃ بھی واجب ہے۔ تم میں جو امیر ہوں ان سے لے کر جو غریب ہیں ان کو دے دی جائے گی دیکھو جب وہ زکوٰۃ دینا منظور کریں تو چن کر اچھی چیزیں نہ لے لینا۔ مظلوموں کی بد دعا سے ڈرتے رہنا کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں۔"[۱۲۱] اس ہدایت نبوی اور دعوتِ اسلامی کو صحابۂ کرام خاص کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمال نے کس ایمانداری سے لوگوں تک پہونچایا تھا اس کا اندازہ امام مسلم کی ایک روایت سے ہوتا ہے جس کے مطابق ایک اعرابی آپ کی خدمت میں پہونچا اور عرض پرداز ہوا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا قاصد (رسول) ہمارے پاس پہونچا اور اس نے ہم سے کہا کہ آپ کا خیال ہے کہ اللہ نے آپ کو رسول بنایا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اس نے سچ کہا۔ اعرابی نے اس کے بعد

آپ سے چند سوالات آسمان، پہاڑوں وغیرہ کی تخلیق کے بارے میں کیے اور پھر قاصد نبوی اور داعی اسلامی کی تعلیمات جو ارکان اربعہ سے متعلق تھیں ان کی آپ سے تصدیق چاہی اور جب آپ نے تصدیق کر دی تو اُس نے کہا کہ وہ ان سے نہ زیادہ نہ کم عمل کرے گا آپ نے اس کو جنت کی بشارت دی[۱۲۲]۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مبلغین نے اسلام کی تبلیغ و دعوت میں اللہ تعالیٰ کے حکم کہ موعظت حسنہ اور طریق احسن سے دعوت دی جائے اور ہدایاتِ نبوی کہ دعوت میں نرمی اور مہربانی سے کام لیا جائے پر پوری طرح عمل کیا تھا۔ اس کے علاوہ ان کے ولولہ، جوش، خلوص اور لگاتار اور سخت محنت نے بھی اسلام کی اشاعت میں کافی مدد کی تھی۔ جیسا کہ متعدد واقعات سے معلوم ہوتا ہے[۱۲۳]۔

صلح حدیبیہ کے مضمر اور زریں اثرات، فتح مکہ کے سیاسی اور فوجی نتائج اور نبوی عمال و ولاۃ اور امراء و کارکنان کی مخلصانہ مساعی کے نتیجہ میں مختلف اوقات میں جزیرہ نمائے عرب کے مختلف علاقوں میں آباد و منتشر قبائل و طبقات نے مدینہ منورہ پہونچ کر اسلامی ریاست سے وفاداری اور اطاعت کا حلف لیا اور ان کی غالب اکثریت نے آپ کی دعوت پر یا آپ کے داعیوں کی دعوت و تبلیغ پر اسلام قبول کیا۔ وفودِ عرب کے بارے میں آخذ کی بیان کردہ تفصیلات سے بالکل واضح ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ جو وہ زیادہ تر قبول کر لیتے۔ بہت کم ایسا ہوا کہ وہ صرف سیاسی اطاعت اور جزیہ کی ادائیگی ہی پر قانع رہے ہوں۔ وفودِ عرب کے قبولِ اسلام کا معاملہ تو کافی طویل ہے لیکن ان میں سے بعض اہم قبائل کے قبولِ اسلام اور دعوتِ نبوی کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اولین وفودِ عرب جو ہجرتِ نبوی اور غزوۂ خندق کے زمانے میں خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے ان میں مزینہ، جہینہ، غفار، اسلم اور اشجع اور کنانہ وغیرہ قبائل کے وفود تھے۔ جہینہ کے وفد نے پھر ان کے پورے قبیلہ نے آپ کی دعوت پر اسلام قبول کیا اور ہجرت کے کچھ عرصہ کے بعد ہی۔ یہی حال غفار او راسلم کے وفود اور قبائل کا تھا۔ اشجع کے ایک خاص گروہ نے پہلے آپ سے صلح اور دفاعی معاہدہ کیا اور پھر کچھ مدت کے بعد اسلام قبول کر لیا۔ اس میں آپ کی دعوت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کا کردار اور اسلام کی تعلیمات

کا بھی خاصا اثر رہا تھا۔ ثقیف کے لیے آپ نے طائف کا محاصرہ اٹھاتے وقت ہدایت کی دعا مانگی تھی جو رمضان ۹ھ میں قبول ہوئی۔ ان کا ایک اہم اور نمائندہ وفد مدینہ منورہ پہونچا تو آپ نے ان کے لیے خیمہ مسجد نبوی کے صحن میں لگوا دیا تاکہ وہ قرآن مجید سنیں۔ نمازیں دیکھیں اور اسلامی تعلیمات سے سبق لیں۔ آپ کا یہ طریقہ کار بہت کارگر ثابت ہوا اور انھوں نے آپ کی دعوت پر اسلام قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کی لیکن کچھ شرطیں رکھیں۔ لیکن آپ نے ان کی کئی شرطیں کہ نماز معاف کر دی جائے اور سود و شراب کی اجازت دی جائے نہیں مانیں کہ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں کے خلاف تھیں۔ البتہ جو اسلام کے خلاف نہ تھیں وہ مان لیں۔ بالآخر وہ سب مسلمان ہو گئے اور واپس جا کر اپنے قبیلہ اور علاقہ کے لوگوں کو دعوت و تبلیغ کے ذریعہ اسلام میں داخل کیا۔[۱۲۷]

۱۰ھ/۶۳۱ء میں جب قبیلۂ طے کا ایک وفد ان کے سردار حضرت زید الخیر کی سرداری میں مدینہ منورہ حاضر ہوا تو آپ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا اور سب نے آپ کی دعوت قبول کر کے اللہ کا دین قبول کر لیا۔ حضرت زید الخیر نے اپنے قبیلہ کے کافی لوگوں کو مسلمان کیا۔ بنو سعد کے نمائندہ اور امیر وفد حضرت ضمام بن ثعلبہ کے قبول اسلام اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ دین کا واقعہ آپ کے طریقہ کار کا ایک دلچسپ اور اہم مرقع پیش کرتا ہے۔ اس کے مطابق آپ نے ان کو صرف اپنی رسالت، توحید، پنجگانہ فرض نمازوں، رمضان کے فرض روزوں، فرض زکوٰۃ اور نفل صدقہ اور (غالباً حج فرض) کی تعلیم و تبلیغ کی تھی اور ان کو قبول کر کے وہ نہ صرف مسلمان ہو گئے تھے بلکہ اپنی قوم کو بھی جا کر اسلام میں داخل کیا تھا۔ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان کی دعوت اور تعلیم آپ نے بنو عذرہ کے وفد کو بھی دی تھی جس میں بارہ حضرات شریک تھے اور ان لوگوں نے اسلام کی دعوت قبول کر لی۔ بعد میں آپ نے ان کو غیر مسلموں کے ذبیحہ کو کھانے اور کاہنوں سے سوالات کرنے سے بھی منع فرمایا۔[۱۲۸] ابن سعد نے سب سے زیادہ وفودِ عرب کی تعداد بیان کی ہے۔ ان کے تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو یہ وفود مشرک و کافر قبائل کے ہوتے تھے یا عیسائیوں کے تھے اور ان میں سے بعض مسلمانوں کے بھی تھے جو مدینہ منورہ حاضر ہوئے تھے۔ مسلمان بیعت کرنے اور آپ سے دین کی تعلیم لینے آتے تھے اور باقی دونوں قسم کے وفود جب آتے تو آپ ان کو اسلام کی دعوت ضرور دیتے۔

ان کو اسلام کی تعلیمات سے بہرہ مند کرنے کے لیے ان میں سے بیشتر کو مسجد نبوی کے قریب بلکہ اس کے صحن میں اتارتے، ان کی مہمانداری اور خاطر تواضع کرتے، ان کے سوالات کے جوابات عطا فرماتے، علمی، فنی اور دینی مسابقت و مقابلہ کا موقع آجاتا تو اس سے بھی گریز نہ فرماتے۔ ہر قبیلہ / وفد کے لوگوں کے ذہنی اور مذہبی مقام و سطح کے مطابق گفتگو فرماتے ان پر پہلے اسلام کے بنیادی ارکان پیش فرماتے اور حکمت و موعظت کے ساتھ اپنے عمل و گفتار سے اسلام کی عملی اور علمی دعوت دیتے۔ غالب اکثریت اسلام قبول کر لیتی اور جب اپنے وطنوں / علاقوں کو لوٹتی تو اسلام و دین کے داعی اور مبلغ بن کر واپس جاتی اور پھر چراغ سے چراغ جلتے اور فضا اسلام کے نور سے روشن ہوتی۔[۱۲۶]

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ کے تمام طریقوں کے پیچھے آپ کی عظیم و درخشاں شخصیت، بلند کردار اور خلق عظیم کی مضبوط و مستحکم فصیل کھڑی تھی۔ دعوت خواہ کتنی اچھی اور تبلیغ کا طریقہ خواہ کتنا عمدہ ہو اس وقت تک وہ بیکار و غیر موثر ہے جب تک اس کو مبلغ و داعی کی بلند کرداری اور عالی اخلاقی قوت و تحفظ حاصل نہ ہو۔ انسانی فطرت ہے کہ مدعو پہلے داعی کا کردار اور اس کی شخصیت دیکھتے ہیں، اگر اس کی شخصیت غیر معتبر اور کردار داغدار ہے تو دعوت و تبلیغ میں اثر پیدا ہی نہیں ہو سکتا اور اگر شخصیت اوصاف حمیدہ اور خصائلِ ستودہ کی حامل اور کردار کی پاکیزگی اور بلندی کا پیکر ہو تو دعوت میں خود بخود تاثیر و مقناطیسی قوت پیدا ہوتی ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت میں وہ محبوبیت اور آپ کے کردار میں وہ مقناطیسیت تھی کہ لوگ کھنچے چلے آتے تھے اور یہ پاکیزگی اور طہارت اور بلندی و عظمت آپ کی ذات و صفات میں بچپن سے موجود رہی تھی۔ آپ کی نوجوانی اور جوانی میں وہ اور بھی پختہ اور مستحکم ہو گئی تھیں اور جب آپ نے چالیس سال کی عمر پوری کی تو وہ بھی اپنی معراج کو پہونچ چکی تھیں۔ چالیس برس کی پختہ عمر میں رسالت و نبوت سے سرفرازی کے پیچھے اور حکمتوں اور مصلحتوں کے علاوہ دعوت و تبلیغ کے لحاظ سے سب سے اہم حکمت و مصلحت یہ تھی کہ آپ کی زندگی کا ورق ورق آپ کے اولین مدعوئین کی خردبیں نگاہ سے گذر جائے اور وہ آپ کو اسی طرح پہچان لیں جس طرح اپنے فرزندوں کو پہچانتے ہیں تاکہ جب آپ ان کو دعوت و تبلیغ کریں تو وہ آپ کے کردار و شخصیت اور ذات پر حرف گیری نہ کر سکیں اور صرف حرف گیری اور خوردہ گیری اور نکتہ چینی ہی نہیں بلکہ

آپ کی عظیم ذات، بلند کردار اور شاندار صفات و کمالات کے بھی معترف ہوں۔ قرآن مجید میں اسی حقیقت اصلی اور داعی کی اسی عظمتِ فطری کی طرف یوں اشارہ کیا گیا: فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ۔ سورہ یونس ۱۶ (کیونکہ میں رہ چکا ہوں تم میں ایک عمر اس سے پہلے۔ کیا پھر تم نہیں سوچتے۔) اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کی سچائی پر آپ کے قبل نبوت کردار کو سب سے بڑی دلیل بنائی ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ وہ اس حقیقت کی بھی دلیل و برہان ہے کہ آپ کا عظیم کردار اور بے مثل شخصیت دعوت و تبلیغ کی اصل قوتِ تاثیر تھی۔

حواشی اور تعلیقات

۵۵ ابن اسحاق ص ۵-۲۴۹؛ ابن سعد، چہارم ص ۲۱۵

۵۶ ابن سعد، چہارم ص ۶-۲۱۵ نے اس ضمن میں تین چار مختصر روایات دی ہیں اور متعلقہ روایت کافی طویل و مفصل بیان کی ہے۔ نیز سید مودودی، دوم ص ۵۴۔

۵۷ عیون الاثر بحوالہ ادریس کاندھلوی اول ص ۱۶۱ نیز ابن اسحاق ص ۴۱-۱۴۰

۵۸ ابن اسحاق ص ۲۴۹ وغیرہ؛ ابن ہشام دوم ص ۶۰-۳۱ و مابعد؛ ابن سعد، اول ص ۷-۲۱۱؛ بلاذری، اول ص ۴-۲۳۷ و مابعد مولانا شبلی، اول ص ۶۷-۲۵۲؛ ادریس کاندھلوی، اول ص ۵-۳۲۷؛ سید مودودی دوم ص ۱-۶۸۳ و مابعد۔

۵۹ مولانا شبلی، اول ص ۲۵ فرماتے ہیں کہ "اہل مکہ سے تو قطعی ناامیدی تھی اس لیے آپ نے ارادہ فرمایا کہ طائف تشریف لے جائیں اور وہاں دعوت اسلام فرمائیں۔"

مولانا ادریس کاندھلوی اول ص ۲۷۴ لکھتے ہیں "ابو طالب کے بعد آپ کا کوئی حامی اور مددگار نہ رہا اور حضرت خدیجہ کے رخصت ہو جانے سے کوئی تسلی دینے والا اور غمگسار نہ رہا اس لیے آپ نے قریش مکہ کی چیرہ دستیوں سے مجبور ہو کر اخیر شوال سنہ ۱۰ نبوی میں طائف کا قصد فرمایا۔"....

مولانا مودودی دوم ص ۳-۶۳۲ رقمطراز ہیں کہ "شوال سنہ ۱۰ بعد بعثت کے آخر میں طائف کا رخ کیا.... اس سفر کا سبب یہ تھا کہ قریش کی اذیت رسانیوں سے آپ تنگ آ گئے تھے، ان کی شدید مخالفت و مزاحمت دیکھ کر یہ امید نہیں رہی تھی کہ یہ لوگ دعوت حق کو قبول کرنا تو درکنار، اسے جاری رکھنے

کی بھی کوئی گنجائش آپ کے لیے باقی رہنے دیں گے....."

ان بزرگ سیرت نگاروں کا یہ تاثر ابن اسحاق کے اپنے خیال سے متاثر معلوم ہوتا ہے ملاحظہ ہو ابن ہشام، دوم ص۲۸ ۔ ابن سعد اول ص۲۱۱-۲۱۲ نے بھی قریش کے مظالم کو مقصد سفر بتایا ہے۔ بلاذری اول ص۲۳۷ نے کوئی سبب نہیں ذکر کیا۔

۶۰ھ طائف کے سفر نبوی پر ابھی تحقیق کی ضرورت ہے۔ دعوتی نقطہ نظر سے بھی اور نتائج کے زاویہ سے بھی۔

۶۱ھ ابن اسحاق ص۲۳۸-۲۵۴؛ ابن ہشام، دوم ص۲۶-۲۷؛ بخاری، جامع صحیح، باب الجنائز باب قصۃ ابی طالب۔ نیز ملاحظہ ہو شبلی نعمانی، اول ص۲۴۷ نیز شبلی کے نقطہ نظر سے اختلاف پر جامع سید سلیمان ندوی کا حاشیہ ۲ جو اسلام ابی طالب کے قائل نہیں۔ ادریس کاندھلوی، اول ص۲۷۱-۲۷۳ سید مودودی، دوم ص۶۲۱-۶۲۲ اور ص۶۲۳-۶۲۵۔

۶۲ھ بخاری، کتاب الطب، باب عیادۃ المشرک میں یہودی بچے کا حوالہ ہے جو مدنی واقعہ ہے۔

۶۳ھ امام بخاری اور دوسرے محدثین کرام نے عیادت نبوی پر خاص باب باندھا ہے جس میں ایسے کئی واقعات کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے زیادہ تر کا تعلق مدنی دور سے ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری، کتاب الطب باب عیادۃ المشرک وغیرہ؛ نیز شبلی دوم، ص۳۹۴-۳۹۷

۶۴ھ ابن سعد، اول ص۲۰۰؛ بلاذری، اول ص۱۲۳ دونوں کی روایات میں معمولی فرق ہے۔ بلاذری کی روایت میں یہ بھی ہے کہ ان کی دعوت و تبلیغ کے بعد اسلام مکہ میں پھیل گیا (حتی فشا الاسلام بمکۃ)

۶۵ھ ابن اسحاق ص۱۹۵؛ ابن ہشام اول ص۳۷۰ ابوجہل مخزومی کو خبر دینے کی روایت ابن اسحاق ابن ہشام میں ہے۔ اس کے مطابق حضرت عمر کی والدہ حنتمہ بنت ہشام بن مغیرہ تھیں۔ صبح صبح جب حضرت عمر نے اس کا دروازہ کھٹکھٹایا تو اس نے حضرت عمر کو بھانجے کہہ کر ان کا استقبال کیا لیکن جوں ہی ان کے ان کے قبولِ اسلام کی خبر سنی ان کو برا بھلا کہہ کر دروازہ ان کے منہ پر دے مارا۔

۶۶ھ ابن اسحاق ص۱۹۵؛ ابن ہشام اول ص۳۶۵ تبصرۂ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے لیے کہ عمر کا اسلام فتح تھی، ان کی ہجرت نصرت تھی اور ان کی امارت رحمت تھی۔ انھیں کا تبصرہ ہے کہ "حضرت عمر کے اسلام لانے تک ہم کعبہ کے پاس نماز نہیں پڑھ سکتے تھے لیکن جب وہ اسلام لائے تو قریش سے لڑ بھڑ کر کعبہ کے پاس نماز پڑھی اور ہم نے بھی ان کے ساتھ نماز پڑھی۔"

۶۷ھ ابن ہشام اول ص۳۶۸ کا اسلام عمر پر تبصرہ ہے کہ "اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اپنی اپنی جگہ پر منتشر ہو گئے اور ان کو حضرت حمزہ کے بعد حضرت عمر کے اسلام لانے سے تقویت

ہوئی اور خود کو قابلِ افتخار و اعزاز سمجھنے لگے اور سمجھ گئے کہ وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت ہی نہیں کریں گے بلکہ مسلمان بھی ان دونوں کے سبب اپنے دشمنوں سے نبٹ لیں گے۔"

۶۸ صحابۂ کرام مذکورہ بالا کی تبلیغی مساعی کے لیے ملاحظہ کیجئے: سید مودودی، دوم ص ۴۲-۵۳۶ نیز خاکسار کی کتاب عہد نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت، القاضی پبلشرز نئی دہلی ۱۹۸۸ء کا باب دوم۔

۶۹ ابن ہشام دوم ص ۷-۴۲ اور ص ۳-۶۱ ما بعد

۷۰ اسلام کا سب سے بڑا دشمن ابوجہل بھی آپ کے بلند اور پاکیزہ کردار کا معترف تھا ملاحظہ ہو ابن اسحاق ص ۲۲۳ نیز ص ۱۶۹ اور ما بعد

۷۱ سوید بن صامت جنگِ بعاث سے قبل مکہ مکرمہ میں آپ کی دعوت سے متاثر ہو چکے تھے مگر اسلام کا اظہار کرنے سے قبل جنگ میں مارے گئے۔ جبکہ حضرت ایاس بن معاذ نے اسلام قبول کر لیا کہ مرتے وقت کلمہ طیبہ ان کی زبان پر تھا۔ مدینہ منورہ کے اولین باقاعدہ مسلمان حضرات اسعد بن زرارہ اور قیس بن ذکوان تھے جو مکہ مکرمہ میں آپ سے ملے اور اسلام قبول کر کے مدینہ واپس گئے اور وہاں اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ ملاحظہ ہو: ابن ہشام، دوم ص ۷-۳۴؛ ابن سعد، اول ص ۲۱۸ نے حضرات اسعد و قیس کا ذکر کیا ہے اور بعض دوسرے اولین مسلمین مدینہ کا بھی جیسے رافع بن مالک اور معاذ بن عفرا، وغیرہ نیز شبلی نعمانی، اول ص ۶۲-۲۶۰؛ ادریس کاندھلوی اول ص ۳۳۰؛ سید مودودی دوم ص ۳-۶۹۱ اور ص ۵-۶۹۴۔ موخر الذکر کا بیان سب سے زیادہ جامع ہے جبکہ مولانا کاندھلوی نے صرف ایاس بن معاذ کے اسلام کا ذکر کیا ہے اور مولانا شبلی نے سوید کے قبولِ اسلام کا بھی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مکی دورِ حیاتِ نبوی کے اولین برسوں ہی میں اسلام مدینہ منورہ میں آپ کی تبلیغی مساعی اور کاروانوں، تاجروں اور حاجیوں اور زائروں کے ذریعہ متعارف ہو چکا تھا۔ عام طور سے اوس و خزرج خصوصاً موخر الذکر کے چھ اشخاص کے قبولِ اسلام سے مدینہ میں اسلامی تحریک اور دعوت و تبلیغ کا آغاز کیا جاتا ہے لیکن ابن سعد اور دوسرے ابتدائی مورخین اور سیرت نگاروں کے بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام وہاں کافی پہلے رواج پا چکا تھا۔ باقاعدہ جماعتوں کے قبولِ اسلام کا زمانہ البتہ اولین بیعتِ عقبہ سے شروع ہوتا ہے۔

۷۲ ابن سعد، اول ص ۳۵-۲۱۸؛ ابن ہشام دوم ص ۴۹-۳۹؛ بلاذری، اول ص ۵۷-۲۳۸ شبلی نعمانی، اول ص ۷-۲۶۲؛ ادریس کاندھلوی، اول ص ۵۶-۳۳۱؛ سید مودودی دوم ص ۷۱-۶۹۳

۷۳ ابن سعد، اول ص ۳۲-۲۲۰؛ ابن ہشام، دوم ص ۴-۱۰۲؛ بلاذری، اول ص ۳-۲۶۲ - موخر الذکر

نے تینوں واقعات کا ذکر کیا ہے جبکہ اول الذکر دو کے ہاں حضرت بریدہ اسلمی کے اسلام کا ذکر نہیں ہے۔ بلاذری نے ان کے قبولِ اسلام کے بارے میں کہا ہے کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان آپ سے حضرت بریدہ اور ان کے قافلہ (رکب) کی ملاقات ہوئی اور آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی جو انھوں نے قبول کرلی۔ حضرت سراقہ کے بارے میں بلاذری نے تصریح کی ہے کہ وہ غزوۂ طائف کے بعد مقامِ جعرّانہ پر آپ کے قیام کے دوران اسلام لائے تھے۔

نیز ملاحظہ ہو: شبلی اول ص۲۷۳-۴ ؛ ادریس کاندھلوی، اول ص۳۸۷-۹۶ ؛ سید مودودی، دوم ص۳۰-۳۲۷، شبلی نعمانی نے صرف سراقہ کا واقعہ نقل کیا ہے۔

۷۴ھ ابن ہشام، دوم ص۱۳۸-۹ ؛ ابن سعد، چہارم ص۷۵-۸۲ ؛ بلاذری، اول ص۲۶۶ نیز ابن ہشام اول ص۲۳۳-۸ برائے اسلامِ سلمان۔ نیز ملاحظہ ہو: ادریس کاندھلوی، اول ص۱۴۲-۲۵ ؛ جن کا بیان سب سے مفصل و مدلل ہے۔ نیز ص۶۰-۶۱ پر صرمہ بن ابی انس انصاری کے قبول اسلام کا ذکر کیا جو خدمتِ نبوی میں حاضر ہوکر مشرف بہ اسلام ہوئے تھے جو ابن ہشام، دوم ص۱۳۰ کے بیان پر مبنی ہے۔

۷۵ھ اس بحث کے لیے ملاحظہ ہو: عہدِ نبوی میں تنظیم ریاست وحکومت، باب دوم ؛ مختصر ذکر کے لیے سید مودودی، دوم ص۵۳۹۔

۷۶ھ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الصلح، باب ماجاء فی الاصلاح بین الناس۔ کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاص عبداللہ بن ابی کو دعوت حق دینے اس کے گھر گئے تھے اور یہ زیادہ صحیح اور اہم روایت ہے۔

۷۷ھ اس بحث کے لیے ملاحظہ ہو میری کتاب "عہدِ نبوی میں ابتدائی مہمیں — محرکات، مسائل اور مقاصد" نقوش رسول نمبر دوازدہم لاہور ۱۹۸۵ء

۷۸ھ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، آکسفورڈ / لندن ۱۹۵۶ء ص۳-۸۳ مابعد

۷۹ھ ابن ہشام اول (۱۹۵۵ء) ص۶۰۹ ؛ واقدی، ص۵۳-۳۴۶ ؛ ابن سعد، دوم ص۵۱-۴ ؛ بلاذری اول ص۳۷۵ ؛ شبلی نعمانی، اول ص۳۹۰ ؛ ادریس کاندھلوی، دوم ص۲۶۷ ؛ مفصل بحث کے لیے ملاحظہ ہو میری کتاب عہدِ نبوی میں تنظیم ریاست وحکومت، باب اول، سوم اور ششم متعلقہ بحث خاص کر ص۳۸-۴۵

۸۰ھ ابن ہشام (۱۹۵۵ء) اول ص۶۰۹ ؛ واقدی، ص۳۵۴-۶۳ ، ابن سعد، دوم ص۵۵-۶ ؛ بلاذری، اول ص۳۷۵-۶۔ شبلی نعمانی، اول ص۳۹۱-۳ ؛ ادریس کاندھلوی دوم ص۲۵۸-۶۲ ؛ عہد

نبوی میں تنظیم ریاست وحکومت کے مذکورہ بالا ابواب خاص کر ص۵-۳۸۴
۵۸۱ یہ بحث عہد نبوی میں تنظیم ریاست وحکومت ص۳۸۵ سے ماخوذ ہے۔
۵۸۲ ایضاً نیز ضمیمہ اول - امراء سرایا ص۶۱-۴۵۷۔

۵۸۳ شبلی نعمانی، اول ص۶۰۶-۵۸۷ نے اشاعت اسلام کے لیے خاص سرایا بھیجے جانے کے ساتھ اسی سلسلہ میں ان سرایا کو بھی داخل کیا ہے "جو فتح مکہ کے بعد بت شکنی کے لیے اطراف ملک میں روانہ کیے گئے"۔

جدید سیرت نگاروں میں علامہ شبلی نعمانی اولین شخص ہیں جنھوں نے غزوات وسرایا کا تجزیہ ان کے مقاصد ومحرکات کے مطابق کرکے ان کو مختلف خانوں میں تقسیم کیا ہے۔ دراصل "غزوات پر دوبارہ نظر" کے عنوان سے ان کی پوری بحث قابل مطالعہ ہے (ص۶۲۲-۵۷۳) بایں ہمہ ابھی تک اشاعت اسلام اور تبلیغ ودعوتِ دین کے وسائل وذرائع کے لحاظ سے غزوات وسرایائے نبوی کا تجزیہ کرنا ہم سب پر باقی ہے۔

۵۸۴ واقدی، کتاب المغازی، آکسفورڈ ۱۹۶۶ء، اول ص۶۱۔

۵۸۵ ابن ہشام، دوم ص۲۲۶ میں ہے: "یا معشر یہود !.... واسلموا، فانکم قد عرفتم انی نبی مرسل تجدون ذلک فی کتابکم وعہد الیکم" ادریس کاندھلوی، دوم ص۱۲۵ وغیرہ۔

۵۸۶ ابن ہشام، واقدی وغیرہ مؤلفین سیرت کے علاوہ اس حقیقت کی شہادت محدثین کرام کے ہاں بھی ملتی ہے۔ ادریس کاندھلوی، دوم ص۱۶۰ وغیرہ

۵۸۷ صحیح مسلم باب غزوۂ بدر بحوالہ مسعود احمد، صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین ص۲۰۰

۵۸۸ ابن ہشام، سوم ص۳۸

۵۸۹ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب عمل صالح قبل القتال؛ مسعود احمد، ص۲۶۲

۵۹۰ ابن ہشام، چہارم ص۲۲-۲۰ نے ابن اسحاق کی روایت بیان کی ہے کہ حضرات ابوسفیان بن حرب اموی اور عباس بن عبدالمطلب ہاشمی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مر الظہران کے مقام پر فتح سے قبل ملاقات کی اور اسلام قبول کیا۔ اس سے قبل ص۱۸ پر دو اور اکابر قریش ابوسفیان بن حارث ہاشمی اور عبداللہ بن ابی امیہ مخزومی کے قبول اسلام کا ذکر ہے۔ وہ دونوں بھی آپ کے شدید دشمن رہے تھے۔ بخاری، کتاب المغازی، باب این رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرایۃ میں ہے کہ خدمت نبوی میں ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظ فوجی

پکڑکر لائے تھے اور ابوسفیان نے اسلام قبول کرلیا۔"

۹۱ ابن ہشام، چہارم ص۱۳۰ کا صرف یہ بیان ہے کہ طائف کے محاصرہ کے دوران کئی غلاموں نے خودسپردگی کرکے اسلام قبول کیا اور آپ نے ان کو آزاد کردیا۔ ثقیف نے اسلام قبول کرنے کے بعد جب ان کی واپسی کا مطالبہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ تو اللہ کے آزاد کردہ بندے ہیں"۔ دوسرے مآخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان ثقفی غلاموں نے آپ کی دعوتِ اسلام پر خودسپردگی کی تھی ملاحظہ ہو: واقدی، سوم ص۹۳۱ و مابعد وغیرہ۔ نیز ان کے تراجم درکتب سیر۔

۹۲ آپ کی اس رحمتِ عالم روش واصول کی گواہی اور تصدیق تو مخالفوں نے بھی کی ہے۔ ملاحظہ ہو مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ۔

۹۳ ابن ہشام، دوم ص۳۱۱-۲۸۸؛ صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب امداد الملائکۃ۔

بدر کے قریشی قیدیوں میں سے کئی حضرات نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے حسنِ سلوک سے اسلام قبول کیا جیسے حضرت خالد کے بھائی حضرت ولید بن ولید مخزومی لیکن اس سے اہم بات یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن سلوک سے متاثر ہوکر بعض لوگوں نے نہ صرف اسلام قبول کیا بلکہ اسلام کے پرجوش داعی بنے جیسے حضرت عمیر بن وہب جمحی جو بدر کے بعد آپ کو قتل کرنے کے ارادہ سے آئے تھے لیکن مسلمان بن کر مکہ واپس گئے اور بقول ابن اسحاق (ابن ہشام دوم ص۳۰۹) وہ مکہ میں مقیم رہ کر اسلام کی دعوت دیتے رہے اور ان کے ہاتھ پر بہت سے لوگوں (ناس کثیر) نے اسلام قبول کیا۔

۹۴ ابن ہشام، سوم ص۳۴-۳۲۹؛

۹۵ ابن ہشام، چہارم ص۳۲-۱۸ و مابعد

۹۶ ابن ہشام، چہارم ص۹۱-۹۰ اور ص۱۳۷-۱۳۵ اور ص۱۴۰-۱۳۹

۹۷ ابن ہشام، چہارم ص۱۳۰-۱۲۸

۹۸ فتح مکہ کے وقت جتنے قریشی اکابر جیسے حضرات عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ، عبداللہ بن زبعری، وغیرہ مکہ سے فرار ہوگئے تھے ان سب کے لیے معافی کا اعلان کیا اور ان مفرورین نے رحمت نبوی سے متاثر ہوکر اسلام قبول کیا۔ ابن ہشام، چہارم ص۴۰-۳۸۔

غزوۂ حنین کی ہزیمت کے بعد ہوازن کے امیر لشکر اور سپہ سالار حضرت مالک بن عوف نصری فرار ہوگئے۔ آپ نے ان کی معافی کا نہ صرف اعلان کیا بلکہ ان کو انعام دینے کا وعدہ بھی کیا۔ حضرت مالک واپس حاضر خدمت ہوئے اور اسلام لائے۔ ابن ہشام، چہارم ص۱۳۸-۱۳۷۔

مشہور عرب شاعر حضرت کعب بن زہیر نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو اپنی جاہلیت میں کی تھی۔ لیکن جب ان کے بھائی بجیر بن زہیر بن ابی سُلمیٰ نے ان کو لکھا کہ آپ کسی ایسے شخص کو قتل نہیں کرتے جو توبہ کر کے حاضر ہو تو حضرت کعب مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور صبح کی نماز کے بعد آپ کی خدمت میں آئے۔ آپ ان کو پہچانتے نہ تھے۔ انھوں نے آپ سے پوچھا جبکہ ان کا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں تھا: یارسول اللہ! اگر کعب بن زہیر توبہ کر کے مسلمان ہو کر آئے تو آپ اس کو معاف کر دیں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں ہی کعب بن زہیر ہوں۔ پھر انھوں نے وہ مشہور قصیدہ پڑھا جو مدحِ نبوی میں تھا اور قصیدہ البردہ کے نام سے مشہور رہا۔ ابن ہشام، چہارم ص ۱۴۹-۱۶۶ خاص کر ص ۱۵۲۔

۹۹ڡ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ انگریزی حیدرآباد دکن ۱۹۷۳ء ص ۵ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں کل مقتولین کی تعداد بیان کی ہے وہ صرف ۳۵۵ ہے اسی طرح زخمیوں کی تعداد بھی بہت کم تھی۔

۱۰۰ڡ دعوت و تبلیغ کے لیے قرآن مجید سورۂ بقرہ ۲۵۶ میں اصولِ الٰہی ہے: لا اکراہ فی الدین (زور نہیں دین کی بات میں ....) ابن کثیر، تفسیر القرآن، اول ص ۳۱۰ ای لا تکرھوا احدا علی الدخول فی دین الاسلام (دینِ اسلام میں داخل کرنے کے لیے کسی کو مجبور نہ کرو) مولانا محمود حسن، اپنی تفسیر موضح فرقان ص ۵۴ حاشیہ ۲ میں فرماتے ہیں ..... اور نہ شریعت کا یہ حکم ہے کہ زبردستی کسی کو مسلمان بناؤ افأنت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین خود نص موجود ہے۔"

مسلمانوں / اسلام قبول کرنے والوں کو البتہ اسلامی فرائض کی پابندی اور شریعت کی تابعداری کرنی لازم ہے جیسا کہ معروف اصول ہے۔

۱۰۱ڡ سورۃ فتح ۱ میں ہے: انا فتحنا لك فتحا مبینا (ہم نے تمہارے لیے ایک فتح مبین عطا کی) فتح مبین کے حوالہ سے ابن ہشام، سوم ص ۳۹۹-۴۰۲ نے تمام متعلقہ آیاتِ قرآنی سے بحث کی ہے اور سورۂ فتح ۲۷ میں مذکورہ ارشادِ ربانی: "فجعل من دون ذلك فتحا قریبا" (اس نے اس سے پہلے ایک قریبی فتح بنائی) میں فتحِ قریب سے صلح حدیبیہ مراد قرار دیا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو ابن کثیر، تفسیر القرآن، تفسیر آیات متعلقہ۔

۱۰۲ڡ مثلاً مولانا وحیدالدین خاں نے صلح حدیبیہ کے حوالے سے ہندی مسلمانوں کو کچھ نہ کرنے اور مجہولیت اختیار کرنے کی باقاعدہ مہم اپنی تحریروں میں چلا رکھی ہے۔ ملاحظہ ہو: الرسالہ کے مضامین اور قومی آواز میں ان کے مقالات

۱۰۳ڡ مولانا شبلی نعمانی، اول ص ۴۵۹؛ مولانا ادریس کاندھلوی، دوم ص ۳۶۵-۶ وما بعد۔

۱۰۴ ابن ہشام، سوم ص۲۱۶-۲۱۷ نے اول الذکر تین بزرگوں کے قبولِ اسلام کا ذکر کیا ہے۔ حضرت معاویہ کے قبولِ اسلام کے لیے ملاحظہ ہو۔ ابن حجر، الاصابہ مصر ۱۳۲۸ھ، سوم ص۴۱۲؛ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ہشتم ص۱۱۸۔ مولانا ادریس کاندھلوی، دوم ص۹-۴۵۷ اور چہارم ص۳-۵۲ نے اصابہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت معاویہ "صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لائے مگر اپنے اسلام کو مخفی رکھا اور فتح مکہ میں اس کا اظہار کیا۔" سید سلیمان ندوی نے ان کے قبول اسلام کو صلح حدیبیہ یا فتح مکہ کے زمانے کا بتایا ہے ملاحظہ ہو شبلی اول ص۴۶۷ حاشیہ ۱؛ محمد تقی عثمانی / محمود اشرف عثمانی، حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق، ادارۃ المعارف کراچی ۱۹۸۶ء ص۲۲۹۔

۱۰۵ ابن ہشام، سوم ص۳۷۲۔ ابن اسحاق نے امام زہری کی یہ روایت نقل کی ہے۔

۱۰۶ فتح مکہ کے بعد لوگوں کی قبولِ اسلام کی سب سے بڑی شہادت تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ نصر ۱۱۰:۲ میں یوں دی ہے: اذا جاء نصر اللہ والفتح ورأیت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا (جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے اور آپ لوگوں کو اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے دیکھیں.....) امام بخاری، کتاب المغازی، فتح مکہ نے ایک عینی اور معاصر شاہد حضرت عمرو بن سلمہ کی شہادت یوں نقل کی ہے:

کانت العرب تلوم باسلامہم الفتح فیقولون	عرب اپنے اسلام کے لیے فتح (مکہ) کا انتظار کرتے تھے
اترکوہ وقومہ فانہ ان ظہر علیہم فہو نبی صادق	وہ کہا کرتے تھے کہ آپ کو اور آپ کی قوم کو چھوڑ دو۔
فلما کانت وقعۃ اھل الفتح بادر کل قوم باسلامہم	اگر آپ اُن پر غالب آگئے تو آپ سچے نبی ہیں۔ جب اہل فتح کا واقعہ رونما ہوا تو ہر قوم اسلام کی طرف دوڑ پڑی۔

مولانا شبلی دوم ص۲۱ نے حدیثِ مذکورہ بالا کے پہلے جملہ میں "تلوم باسلامہم" میں "ھم" کی ضمیر قریش کی طرف راجع کر کے اس سے قریش کا اسلام مراد لیا ہے جو محلِ نظر ہے۔ امام بخاری کی روایت کی مزید تشریح و توضیح ابن ہشام چہارم ص۲۲۲ میں ملتی ہے۔ یہاں اس نکتہ کی طرف بھی دھیان دینا ضروری ہے کہ امام بخاری کی روایت کے مطابق آپ کے فوجی اور سیاسی غلبہ کو عرب آپ کی نبوت کی حقانیت کا مظہر سمجھتے تھے۔ اسی سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ ان کا اسلام سچا اور مخلصانہ تھا نہ کہ محض ظاہری اطاعت اور نمودی اظہار (استسلام)۔ نیز ابن سعد، اول ص۳۳۶۔

۱۰۷ بخاری، صحیح، کتاب المغازی، غزوۂ ذات الرقاع؛ ابن ہشام، سوم ص۲۱۶۔ بخاری میں صرف اعرابی ہے اور قبولِ اسلام کا ذکر نہیں ہے۔ ابن ہشام نے اس کا نام غورث لکھا ہے جبکہ تعلیق نگار نے دعثور کا بھی نام لیا ہے لیکن اس کو دوسرا قصہ بتایا ہے۔ ادریس کاندھلوی دوم ص۲۷۵-۲۷۵ نے صحیح بخاری کے حوالہ سے اس کا نام غورث بن حارث لکھا ہے جو صحیح نہیں۔ دعثور کے قبولِ اسلام کا ذکر واقدی ص۱۹۶،

ابن سعد، دوم ص۳۵، بلاذری اول ص۳۱۱ میں ہے۔

۱۰۸ھ بخاری، کتاب المغازی، وفد بنی حنیفۃ وحدیث ثمامہ بن اثال۔

۱۰۹ھ ابن ہشام، دوم ص۳۰۲-۳۰۳ قریش کا مال واپس کرتے ہوئے حضرت ابو العاص نے کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اسلام کا اعلان کرنے سے یہ اندیشہ وخوف مانع رہا کہ تم یہ نہ سمجھو کہ میں تمہارا مال ہڑپ کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ زرقانی، دوم ص۱۷۷ بحوالہ ادریس کاندھلوی ص۲۵۱-۲۵۲

۱۱۰ھ مسلم، صحیح، کتاب الایمان، اردو ترجمہ رئیس احمد جعفری، اول ص۱۴۹-۱۵۰ کی ایک روایت میں ہے أفلا شققت عن قلبہ۔ دوسری بخاری کی مانند ہے۔ تیسری میں ہے کہ فکیف تصنع بلا الٰہ الا اللہ اذا جاءت یوم القیامہ؟ اس روایت میں رمح (نیزہ) کی جگہ سیف (تلوار) ہے۔ ابن سعد، چہارم ص۶۹ میں ہے کہ آپ نے حضرت اسامہ سے فرمایا: برا ہوا اسامہ! لا الٰہ الا اللہ کا کیا جواب دوگے؟ بخاری، کتاب المغازی، غزوہ موتہ میں ہے کہ آپ نے فرمایا: اے اسامہ! کیا تم نے اس کو لا الٰہ الا اللہ کہنے کے بعد قتل کر دیا؟

۱۱۱ھ مثلاً مولانا شبلی نعمانی اول ص۲۶۲-۲۶۳؛ مولانا ادریس کاندھلوی، دوم ص۳۸۱۔ اول الذکر ۶ھ کی تصریح کی ہے جبکہ موخر الذکر کہتے ہیں "اس پر سب متفق ہیں کہ حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے یہ خطوط روانہ کئے گئے۔ جبکہ قدیم ماخذ اور بیشتر مورخین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ خطوط نبوی کا سلسلہ صلح حدیبیہ اور وفات نبوی کی مدت کے دوران جاری رہا۔ ملاحظہ ہو ابن ہشام، چہارم ص۲۷۸-۲۸۰؛ طبری تاریخ طبری دوم ص۶۴۵؛ ابن سعد اول ص۲۵۸۔

اختلاف کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد محرم ۷ھ میں چھ سفیران نبوی کی مکاتیب دعوت کے ساتھ روانگی ہوئی تھی جس کی تصریح جابجا ابن سعد نے کی ہے۔ ورنہ دوسرے مکاتیب کے ارسال کرنے کی تاریخ بعد کی ہے مثلاً عُمان کے دو حکمرانوں کے نام مکتوب نبوی ذوقعدہ ۸ھ میں بھیجا گیا (ابن سعد اول ص۲۶۲) جبکہ حاکم بحرین منذر بن ساوی کے نام جعرانہ سے واپسی کے بعد یعنی ذوالحجہ ۸ھ/محرم ۹ھ وغیرہ میں کسی وقت بھیجا گیا (ابن سعد اول ص۲۶۳) اہل یمن کے نام متعدد خطوط حضرت معاذ بن جبل خزرجی اور مالک بن مرارہ کے ہاتھ بھیجے گئے جو ۹ھ یا ۱۰ھ میں گئے تھے اور دوسرے مکتوب الیہم کے نام جو خطوط ومکاتیب لکھے گئے اور اس کے بعد لکھے تھے خاص کر متعدد اہل یمن، حمیر، جبلہ بن ایہم، ذوالکلاع وغیرہ کے نام۔ حضرت جریر بن عبداللہ بجلی اسلام ہی ۱۰ھ میں لائے تھے اور وہ ذوالکلاع کے پاس خط لے کر گئے تھے (ابن سعد اول ص۲۶۳-۲۶۶ مابعد) صلح حدیبیہ

سے قبل کے خطوط اسلم، جہنیہ، مزینہ وغیرہ کے نام لکھے گئے تھے (ابن سعد اول ص۸۰-۲۷۱)

۱۱۲ مفصل بحث کے لیے ملاحظہ ہو: عہد نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت ص۸۱-۲۷۵ اور ضمیمہ دوم۔ سفیران نبوی ص۱-۵۰۴ نیز ص۶-۲۸۵۔

۱۱۳ صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، کتاب الجہاد؛ باب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی الاسلام؛ صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی ہرقل اور باب کتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی ملوک الکفار میں صرف ہرقل کے نام کے خط کا مضمون نقل کیا گیا ہے۔ دوسرے خطوط کے لیے ملاحظہ ہو: ڈاکٹر محمد حمید اللہ مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ فی العہد النبوی والخلافۃ الراشدہ؛ القاہرہ ۱۹۵۶ء ص۱۸۴-۲۲۔ نیز ان کا اردو ترجمہ بعنوان الرسالات النبویہ از ڈاکٹر نثار احمد فاروقی، نقوش رسول نمبر جلد ۲ ص۶۶-۲۰۴ مولانا شبلی، اول ص۳-۶۲۷؛ مولانا ادریس کاندھلوی، دوم ص۱۷۱-۳۸۱

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے مجموعۃ الوثائق سے معلوم ہوتا ہے کہ ان غیر ملکی حکمرانوں کو آپ نے صرف ایک بار ہی دعوتی خط نہیں لکھا تھا بلکہ کئی مواقع پر متعدد خطوط تحریر کیے تھے مثلاً ہرقل کے نام آپ کے دو خطوط ہیں، دوسرے خط میں آپ نے اس سے اسلام نہ لانے کی صورت میں جزیہ ادا کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ قیصر روم نے اس خط کا جواب بھی آپ کو لکھا تھا اور آپ کی رسالت تسلیم کی تھی اور اپنی قوم کو دعوت اسلام دینے میں ناکامی کا اظہار کیا تھا۔ ایک روم کے اسقف کے نام بھی خط ہے۔ نجاشی کے نام آپ کے دو خط ہیں اور نجاشی کے تین جوابی مکاتیب منقول ہیں۔ دوسرے غیر ملکی حکمرانوں کے نام مکاتیب نبوی کے لیے ملاحظہ ہو: ص۳-۳۲، ص۳۳-۳۹۔

۱۱۴ عہد نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت اور مولانا شبلی اور مولانا ادریس کاندھلوی کے متعلقہ مباحث نیز ادریس کاندھلوی سوم ص۱۲۷۔ مجموعۃ الوثائق ص۸-۵۵ میں منذر بن ساوی شاہ بحرین، بحرین کے علاقہ کے ہجر کے لوگوں، مجوس ہجر، اسبخت عامل بحرین، ہلال صاحب بحرین، ہوذہ بن علی شیخ یمامہ، عبدالقیس کے قبیلہ اور متعدد سرداروں، جیفر و عبد عمان کے حکمرانوں، اہل دما (قریہ عمان) وغیرہ کے نام خطوط ہیں۔

۱۱۵ مزید بحث کے لیے ملاحظہ ہو: سید جلال الدین عمری، "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوتی مکاتیب" تحقیقات اسلامی علی گڑھ جلد ۵ شمارہ ۲ (اپریل جون ۱۹۸۶ء) ص۱۳-۵۔ ابن سعد اول ص۹۱-۲۵۸ میں موجود خطوط کا توقیتی تجزیہ ثابت کرتا ہے کہ ابن اسحاق کا بیان بھی پوری طرح صحیح نہیں۔ خطوط کا سلسلہ دراصل شروع تو بعد ہجرت نبوی ہوا تھا مگر اس کی رفتار تیز ہوئی ۷ھ میں اور تا وفات جاری رہا۔ اس سلسلہ میں زرقانی سوم ص۳۶۵ وغیرہ کی تطبیق کی کوشش صرف چھ اہم خطوط کے سلسلہ میں تو صحیح ہے اور ان کا تعلق

تمام مکاتیب نبوی سے نہیں ہے۔ نیز سید جلال الدین عمری، "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوتی مکاتیب" تحقیقات اسلامی علی گڑھ جلد ۷ شمارہ ۳

۱۱۶ میری مذکورہ بالا کتاب ص ۲۹۳-۵ ملاحظہ ہو (جولائی۔ستمبر ۱۹۸۸ء) ص ۱۹-۵ جس میں صرف ہرقل کے نام مکتوبِ نبوی پر بحث ہے۔

۱۱۷ ابن ہشام، چہارم ص ۲۶۰، طبری، تاریخ الرسل والملوک قاہرہ ۱۹۶۱ء سوم ص ۲۲۸

۱۱۸ ابن ہشام، چہارم ص ۲۶۲-۵ کا بیان ہے کہ آپ نے ان کو نجران کے بنوالحارث بن کعب کو اسلام کی دعوت کے لیے بھیجا۔ حضرت خالد کی دعوت پر وہ مسلمان ہوگئے اور ان کے درمیان قیام کرکے حضرت خالد نے ان کو اسلام اور کتاب اللہ اور سنت نبوی کی تعلیم دی۔ یہ کافی طویل بحث ہے۔ مولانا شبلی، دوم ص ۲۸ کا یہ خیال صحیح نہیں کہ حضرت خالد اپنی دعوت اسلام میں ناکام رہے تھے۔

۱۱۹ ملاحظہ ہو عہد نبوی میں تنظیم ریاست وحکومت باب چہارم ص ۲۹۲-۳ اور باب ششم ص ۳۸۶

۱۲۰ مثلاً حضرات جرثوم بن ناشیم خشنی/قضاعی، عبادہ بن اشیب عنزی/بنو وائل، عمرو بن مرہ جہنی وغیرہ کے علاوہ متعدد شیوخ ورؤسائے قبائل نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم دعوت وتبلیغ پر یہ فریضہ انجام دیا تھا اور اس کے نتیجہ میں اپنے اپنے قبیلہ کے کافی لوگوں کو اسلام میں داخل کیا تھا۔ ابن اثیر، اسد الغابہ (طہران ۱۳۷۸ھ) اول ص ۲۷۶، دوم ص ۲۴۴، چہارم ص ۱۳۱ وغیرہ۔ نیز ملاحظہ ہو میری کتاب مذکورہ بالا کا باب دوم اور سوم بحث بر مقامی منتظمین اور ان کی دعوت۔

۱۲۱ ملاحظہ ہو شبلی نعمانی/سید سلیمان ندوی، سیرت النبی، دوم ص ۳۰۔ جامع نے تصریح کی ہے کہ یہ پورا ہدایت نامہ بخاری جزو غزوات میں مذکور ہے اور اس کی مختلف روایتوں کو یکجا کر دیا ہے۔ یہ عبارت سید صاحب کی ہے۔ اس میں ہمارا تصرف اتنا ہے کہ خدا کی جگہ اللہ رکھ دیا ہے کہ ہمارے نزدیک خدا کا استعمال اللہ کے لیے صحیح نہیں ہے۔

صحیح مسلم، کتاب الایمان، اردو ترجمہ رئیس احمد جعفری، کراچی اول ص ۱۰۵

۱۲۲ صحیح مسلم، کتاب الایمان۔ اردو ترجمہ رئیس احمد جعفری کراچی اول ص ۱۰۷-۹

۱۲۳ حضرات معاذ بن جبل خزرجی، ابوموسیٰ اشعری، طفیل بن عمرو دوسی، خالد بن ولید مخزومی، عبدالرحمن بن عوف زہری وغیرہ متعدد حضرات کی تبلیغ ودعوت کے طریقۂ کار کا ذکر ملتا ہے۔ مثلاً موخرالذکر صحابی نے ہدایت نبوی کے مطابق دومۃ الجندل کے بنو کلب کو پہلے تین دن تک اسلام کی دعوت دی اور بالآخر ان کو کامیابی ملی اور کافی لوگ مسلمان ہوگئے۔ ابن سعد، دوم ص ۸۹۔

۱۲۴ھ ابن سعد، اول ص۲۹۱-۳۵۹ خاص کر ص۳۰۶، ص۳۱۲، ص۳۲۱، ص۳۳۳، ص۳۵۴ ملاحظہ ہوں، ابن ہشام، چہارم ص۲۲۱-۵۵ و مابعد۔ شبلی نعمانی، دوم ص۲۸-۳۶، ادریس کاندھلوی، سوم ص۱۹-۱۰۲ و مابعد۔ موخرالذکر نے صرف تین شرطوں کا ذکر کیا ہے اور بعض اہم شرطیں چھوڑ دی ہیں جیسے شراب وسود کی حلت کی شرط وغیرہ۔ مولانا شبلی کا بیان زیادہ مکمل اور مفصل ہے۔

۱۲۵ھ ابن سعد اول ص۳۲۱-۲ ؛ ابن ہشام چہارم ص۲۱۴-۵ ؛ شبلی اول ص۴۰-۴۳ کاندھلوی سوم ص۱۱۴ اور ص۱۲۸؛ ابن سعد اول ص۲۹۹ کا بیان ہے کہ حضرت ضمام بن ثعلبہ نے ایک دن میں پورے قبیلہ سعد بن بکر کو مسلمان کر لیا۔ انھوں نے مساجد بنائیں اور اذان دے کر نمازیں پڑھیں۔

۱۲۶ھ مثلاً طے، ہوازن، مزینہ، جہینہ، ثقیف، عامر بن صعصعہ، بنوحنیفہ، ازد، بنوسعد، عذرہ، بلی وغیرہ کے اکثر وفود مشرکین کے تھے جبکہ عبدالقیس، ہمدان، کندہ، اشعر، بنوالحارث بن کعب، دوس، تجیب، ندیم، بنواسد وغیرہ کے وفود پہلے سے مسلمان تھے ان کے برخلاف نجران کا وفد عیسائیوں/نصاریٰ پر مشتمل تھا۔

نصاریٰ کے وفد نے آپ سے اسلام اور عیسائیت کے بارے میں کئی سوالات کئے تھے اور بحث و مباحثہ کے لیے بھی تیار ہو گئے تھے۔ عبدالقیس کے لوگوں نے آپ سے ہدایت کے لیے کچھ تعلیمات مانگیں۔ آپ نے چار چیزوں کا حکم دیا اور چار چیزوں سے روکا۔ تجیب کے وفد کو دینی مسائل کی تعلیم دی اور ان کو بہت سی تعلیمات لکھوائیں۔ وفد ندیم کو نماز جنازہ میں شرکت کی ہدایت کی۔ بنواسد کے وفد نے از خود اسلام لانے کا احسان جتایا تو اللہ نے سورہ حجرات ۱۷ میں ان کو سرزنش کی۔ کندہ کے لوگوں کو آپ نے ریشم اور اس کے کپڑوں کے استعمال سے منع فرمایا۔ بنوحنیفہ کے مسیلمہ کذاب کے مطالبات خاص کر ریاست و حکومت الٰہی میں شرکت کے مطالبہ کو نامنظور فرمایا۔ بنوتمیم نے شاعری اور خطابت میں مدنی مسلمانوں سے مقابلہ کرنا چاہا۔ آپ نے اس کو منظور کر کے ان کو لاجواب کروا دیا۔

جن وفود عرب نے جا کر اپنے علاقہ و قبیلہ میں اسلام کی دعوت پھیلائی ان میں اہم ترین حسب ذیل تھے:

(۱) وفد سعد بن بکر کے حضرت ضمام بن ثعلبہ جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ ابن سعد اول ص۲۹۹

(۲) وفد رؤاس بن کلاب کے حضرت عمرو بن مالک عامری جنھوں نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی اور اس کے لیے جنگ بھی کی۔ ابن سعد ص۳۰۰

(۳) وفد عقیل بن کعب کے کئی لوگ آپ کی دعوت پر ایمان لائے اور ان کے بعض لوگوں نے اپنے علاقہ میں دعوت کا کام کیا۔ ابن سعد ص۳۰۲-۳۰۳

(۴) وفد سلیم کے حضرت قیس بن نسیبہ نے بنوسلیم میں تبلیغ کر کے پورے قبیلہ کو مسلمان بنانے میں مدد کی۔ ابن سعد ص۳۰۷

(۵) وفد ثقیف نے اپنے پورے قبیلہ کو مسلمان کیا ۔ ابن سعد ص۲-۳۱۲

(۶) وفود طے : حضرت زید الخیر اور حضرت عدی بن حاتم طائی نے اسلام کی تبلیغ کی ۔ ابن سعد ص۲-۳۲۱

(۷) وفد صداء : دعوتِ نبوی پر اسلام لائے اور اپنے علاقہ اور قوم میں اسلام پھیلا ۔ ابن سعد ص۳۲۶

جو وفودِ عرب مسلمان بن کر آئے تھے اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داعیوں اور مبلغوں کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا ان میں اہم ترین تھے :

(۱) وفدِ کلاب : حضرت ضحاک بن سفیان کلابی کی دعوت و تبلیغ پر مسلمان ہوا تھا ۔ ابن سعد اول ص۳۰۰

(۲) وفد عامر بن صعصعہ : علقمہ بن علاثہ کو پہلے پہل دعوت حضرت عکرمہ بن خصفہ نے دی تھی اور ان کے سبب کئی لوگ مسلمان ہوئے ۔ ابن سعد اول ص۳۱۱ ۔

(۳) وفدِ جہینہ : حضرت عمرو بن مرہ کی دعوت پر ایک آدمی کے سوا پورا قبیلہ مسلمان ہوا ۔ ابن سعد ص۳-۳۳۳

(۴) وفدِ الحارث بن کعب : حضرت خالد بن ولید مخزومی کی تبلیغ سے اسلام لائے اور پھر ان کا وفد مدینہ پہونچا ۔ ابن سعد ص۳۳۹ ۔

(۵) وفدِ ہمدان : حضرت قیس بن عمرو ارحبی مکہ مکرمہ میں اسلام لائے ۔ واپس جاکر اپنی قوم میں تبلیغ کی اور ان کو مسلمان کیا پھر وفد آیا ۔ ابن سعد ص۳۴۰ ۔

(۶) وفدِ نخع : حضرت معاذ بن جبل وغیرہ مبلغینِ نبوی کے ہاتھ پر مسلمان ہو کر خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے (کل دو سو افراد تھے) ابن سعد ص۳۴۶ ۔

(۷) وفدِ اشعریین : حضرت ابوموسیٰ وغیرہ کی دعوت و تبلیغ سے مسلمان ہوئے اور پھر خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے ۔ ابن سعد ص۸-۳۴۹ ۔

(۸) وفدِ ازدِ عمان : اہل عمان مبلغین مدینہ کے ہاتھوں مسلمان ہوئے پھر حاضر مدینہ ہوئے ۔ ابن سعد ص۳۵۱

(۹) وفدِ دوس : حضرت طفیل بن عمرو دوسی نے اپنی قوم کو مسلمان کیا ۔ ان کے ستر / اسّی گھرانوں پر مشتمل وفد مدینہ آیا ۔ ابن سعد ص۳۵۳ ۔

(۱۰) وفدِ جذام : حضرت رفاعہ بن زید جذامی کی دعوت پر ان کی قوم اسلام میں داخل ہوئی ۔ ابن سعد ص۵-۳۵۴

ایسے متعدد دوسرے وفود تھے جو کسی نہ کسی داعی / مبلغ کی دعوت و تبلیغ سے متاثر ہو کر پہلے مسلمان ہوئے تھے پھر مدینۂ منورہ حاضر ہوئے ۔